قاری محمد اسماعیل ظفرؒ

حیات و خدمات

بانیِ باب العلوم کی حیات اور علمی و دینی خدمات
پر مبنی ایک تاریخی اور مستند کتاب

پیشکش
باب العلوم

قاری محمد اسماعیل ظفرؒ

حیات وخدمات

بانی باب العلوم کی حیات اور علمی و دینی خدمات
پر مبنی ایک تاریخی اور مستند کتاب

پیشکش:

باب العلوم

باب پبلی کیشنز

1 ڈاکٹر سریش سرکار روڈ، مولا علی، کلکتہ 700014

قاری محمد اسماعیل ظفرؒ

ولادت :

6 رمضان 1361 ہجری

18 ستمبر 1942 عیسوی

وفات :

16 رمضان 1445 ہجری

27 مارچ 2024 عیسوی

ہمارے والد محترم

قاری محمد اسماعیل ظفرؒ

کے نام

جنہوں نے ہمیں قرآن سے محبت،
سچ سے وابستگی، اور خدمتِ خلق کا سلیقہ سکھایا۔
جن کی دعا نے ہمیں زندگی کے ہر موڑ پر بچایا،
اور جن کی تربیت آج بھی ہمارے کردار میں سانس لیتی ہے۔
یہ کتاب ہم ساتوں بیٹوں کی طرف سے
ایک عاجزانہ سلام ہے، اس باپ کے نام
جو صرف ہمارے والد نہ تھے، بلکہ ایمان، بصیرت اور دعا کا روشن چراغ تھے۔

(صباح اسماعیل، سہیل اسماعیل، سعید اسماعیل
باسط اسماعیل، زید اسماعیل، رافع اسماعیل، یاسر اسماعیل)

قاری محمد اسماعیل ظفرؒ: حیات وخدمات

نمبر شمار	عناوین	مضمون نگار	صفحہ نمبر
1	مقدمہ : دل سے قلم تک، تحریر کا پہلا ورق	ڈاکٹر نور الصباح اسماعیل ندوی	6
2	ابتدائی گفتگو: والد محترم کی علمی و دینی بصیرت	عبد الباسط اسماعیل	39
3	قاری محمد اسماعیل ظفرؒ: ایک روشن چراغ	محمد خالد ندوی غازی پوری	42
4	قاری محمد اسماعیل ظفرؒ : ایک عظیم علمی و دینی شخصیت	قاری فضل الرحمان	46
5	قاری محمد اسماعیل ظفرؒ: ایک عظیم استاد اور روحانی رہنما	قاری عبد الرحیم	50
6	قاری محمد اسماعیل ظفرؒ۔ چند یادگار لمحات	مرشد عالم ندوی	55
7	قاری محمد اسماعیل ظفرؒ سچی ہدایت وقیادت کے حامل انسان تھے	محمد ندیم الحق	58
8	بہترین دوست نہ رہا	نثار احمد	61
9	قاری محمد اسماعیل ظفر : ایک تحریکی شخصیت	انور پریمی	65
10	قاری محمد اسماعیل ظفرؒ : ایک عظیم شاعر	خواجہ احمد حسین	69
11	قابل رشک زندگی قابل رشک موت	مختار علی	72
12	لہجہ بولتا تھا کہ وہ خوش اخلاق انسان تھے	سید مہر عباس رضوی	75
13	قاری محمد اسماعیل ظفرؒ۔ ایک عظیم شخصیت	ڈاکٹر محمد اشرف ازہری	77
14	قاری محمد اسماعیل ظفر : علم، عمل اور اخلاص کا پیکر	لقمان صدیقی ندوی	83
15	شمعِ روشن بجھ گئی، بزمِ سخن ماتم میں ہے	رئیس احمد ندوی	86
16	قاری محمد اسماعیل ظفرؒ: محبت وفا اور یادوں کی داستاں	مقبول احمد جائسی	90
17	قاری محمد اسماعیل ظفر: کلکتہ کی ایک معروف ومحترم شخصیت	محمد آفتاب عالم ندوی	94
18	قاری محمد اسماعیل ظفر حکمت ومصلحت کا پیکر	جاوید عباس	98
19	آہ! قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ	محمد اسماعیل ندوی	102
20	قاری محمد اسماعیل ظفرؒ: حیات وخدمات	اخلاق احمد ندوی	105

21	قاری صاحبؒ کی یاد میں ایک خراج عقیدت	اقبال مصطفیٰ	109
22	قاری اسماعیل ظفر : دینی اور ملی شخصیت	تحسین احمد ندوی	113
23	قاری محمد اسماعیل ظفرؒ۔فن تربیت کے عظیم شہسوار	مہتاب عالم ندوی	116
24	قاری محمد اسماعیل ظفرؒ ایک مشفق بزرگ	احمد علی قاسمی	120
25	قاری محمد اسماعیل ظفر : عظیم محب قرآن و شفیق استاد	غلام ربانی ندوی	123
26	قاری محمد اسماعیل ظفرؒ روحانی سرپرستی کی روشن علامت	موسیٰ امام قاسمی	127
27	قاری اسماعیل ظفرؒ : مخلص رہنما وملت کے معمار	ابوسعید ندوی	130
28	قاری اسماعیل ظفر : مشفق مربی اور روشن چراغ	اسرافیل اسلام ندوی	134
29	قاری محمد اسماعیل ظفرؒ :ایک عبقری شخصیت	محسن خان ندوی	137
30	قاری اسماعیل ظفرؒ : علمی، دینی اور سماجی شخصیت	مظاہر انوار ندوی	142
31	قاری اسماعیل ظفرؒ ایک قرآنی شخصیت	ناصر جاوید ثقافی	145
32	قاری اسماعیل ظفرؒ کے شعر وسخن پر ایک نظر	ڈاکٹر محمد امین عامر	147
33	قاری اسماعیل ظفرؒ :خدمت دین کا درخشاں چراغ	فیروز انجم	159
34	قاری محمد اسماعیل ظفرؒ کی شاعری	علقمہ شبلی	169
35	قاری صاحب کی شاعری پر ایک نظر	قیصر شمیم	172
36	سبق آموز شاعری	پروفیسر حافظ محمد طاہر علی	178
37	قاری محمد اسماعیل ظفر کی شاعری میں عصری معنویت	محمد خالد ندوی غازی پوری	188
38	اسماعیل ظفر : شخص اور شاعر	نورالہدیٰ	193
39	قاری اسماعیل ظفر کی مشرقی شاعری	ڈاکٹر شبیر ابروی	199
40	والد محترم کی اصلاحی شاعری	ڈاکٹر صباح اسماعیل	201
41	قاری محمد اسماعیل ظفر: قوم کے ہمدرد	مشتاق باشمی	205
42	روشنی کا مسافر	ارشاد آرزو	206

مقدمہ

اَبیؒ، قاری محمد اسماعیل ظفرؒ

دِل سے قلم تک، تحریر کا پہلا ورق

ڈاکٹر نور الصباح اسماعیل ندوی

وہ عکس بن کے مری چشمِ تر میں رہتا ہے
عجیب شخص ہے، پانی کے گھر میں رہتا ہے

اپنی تحریر کا آغاز میں نے جس شعر سے کیا ہے، وہ محض ایک مصرع نہیں، بلکہ میرے ابی کی محبت بھری تحریر کا وہ یادگار ٹکڑا ہے، جو انہوں نے مجھے کئی بار ندوۃ العلماء میں طالب علمی کے زمانے میں خطوط کے ذریعے بھیجا۔

یہ شعر میرے لیے ہمیشہ ایک خاموش پیغام رہا، کہ میں چاہے ان سے کتنی ہی دور کیوں نہ ہوں، پھر بھی ان کی دعاؤں کی ڈور سے بندھا ہوں، اور ان کی نگاہیں ہر لمحہ مجھے دیکھ رہی ہیں۔

یہ بھی کہ میری جدائی ان کے لیے آسان نہیں تھی،
لیکن ایک عظیم مقصد کی خاطر، انہوں نے مجھے علم کے اس سفر پر روانہ کیا
دل کو مضبوط کر کے، اور آنکھوں میں دعائیں بھر کر۔

یہ مقدمہ صرف اس کتاب کا ابتدائی ورق نہیں، یہ میرے دل کا وہ پہلا صفحہ ہے جو برسوں سے بے آواز لکھا جا رہا تھا، اور آج اس کتاب کے توسط سے دنیا کے سامنے آ رہا ہے۔

یہ کتاب، "قاری محمد اسماعیل ظفرؒ، حیات و خدمات"، ہمارے ابی کی حیاتِ طیبہ اور ان کے علمی، دینی، ادبی، اور فکری پہلوؤں کو محفوظ کرنے کی ایک اجتماعی کوشش ہے۔ اس میں ان کے چاہنے والوں، شاگردوں، احباب اور متعلقین کی وہ تحریریں شامل ہیں جو ابی کی یاد میں لکھی گئیں، اور جو ان کے افکار و کردار کا آئینہ ہیں۔

اس کتاب کا ایک خوبصورت گوشہ ان کی شاعری، نعت گوئی، اور زبان و بیان کی گہرائیوں پر بھی مشتمل ہے، کیونکہ وہ نہ صرف حافظِ قرآن تھے، بلکہ دلوں کے بھی قاری تھے۔

میرے لیے یہ تحریر ایک بیٹے کا وہ سجدۂ شکر ہے، جو الفاظ کی شکل میں اپنے والد کی عظمت کو سلام پیش کر رہا ہے۔

میں نے ان کے بازوؤں میں پناہ لی، ان کے قدموں سے راستہ پایا، ان کی دعاؤں سے جینا سیکھا، اور آج انہی کے نام ایک لفظی سجدہ پیش کر رہا ہوں۔

اگر کبھی ان الفاظ کو پڑھ کر کسی دل میں دعا جاگے، یا کسی آنکھ سے ایک اشکِ محبت بہہ جائے، تو جان لیجیے گا کہ ابی کے ایک بیٹے نے، ان کے عشق میں، اپنا قرض اتارنے کی کوشش کی ہے۔

دل سے قلم تک ـــــــ، ابی کی یادیں

باپ. . . ایک ایسا سایہ جو دھوپ میں چھاؤں بن جائے، ایک ایسی دعا جو لفظوں کے بغیر بھی عرش تک پہنچ جائے۔

یہ مضمون ایک ایسی روحانی دستاویز ہے جو ایک عظیم باپ کی زندگی، ان کی جدو جہد، ان کے کردار اور ان کے چھوڑے ہوئے نقوش کو محفوظ کرنے کی ایک عاجزانہ کوشش ہے۔

ہم ابا کو "ابی" کہتے تھے۔ ان کو یہ لفظ زیادہ محبوب تھا، عربی اور زبانِ نبویؐ کی نسبت و محبت کی وجہ سے۔ یہی نسبت، یہی محبت، اسی عنوان میں سمٹ کر آج ایک مضمون کی شکل اختیار کر رہی ہے :ـــ "ابی، قاری محمد اسماعیل ظفرؒ۔

یہ محض ایک عنوان نہیں، ایک بیٹے کی طرف سے دل کی گہرائیوں سے نکلا ہوا سلام ہے۔

قاری محمد اسماعیل ظفرؒ صرف میرے والد نہیں تھے، وہ میرے لیے روشنی کی پہلی کرن، دعا کی پہلی صدا، اور یقین کی پہلی بنیاد تھے۔

یہ الفاظ میرے دل کی دھڑکن ہیں، جو اس شخص کے لیے لکھے جا رہے ہیں جس نے مجھے جینا سکھایا، مگر خود ہمیشہ خاموشی سے جیتے رہے۔

اس کتاب میں وہ سب کچھ ہے جو میں نے ان کی آنکھوں سے دیکھا، ان کی

مسکراہٹ سے سیکھا، اور ان کی خاموشی سے سمجھا۔

وہ پہلا لمس، میری پیدائش پر ان کی آنکھوں کا نور

سچی بات یہی ہے کہ پہلا لمس تو مجھے یاد نہیں، لیکن ایک تصویر میری یادداشت کی پہلی اینٹ بن چکی ہے۔

اس تصویر میں، میں شاید چند دنوں کا ہوں اور ابی مجھے اپنی گود میں اٹھائے ہوئے ہیں۔ ان کے بازوؤں میں ایسی مضبوطی اور تحفظ کا احساس ہے کہ یوں لگتا ہے جیسے وہ مجھے زمین سے اٹھا کر آسمان کی طرف لے جانا چاہتے ہوں۔

ان کے ہاتھ طاقتور تھے، ان کا جسم تنومند، کیونکہ وہ کلکتہ کے مشہور کلبوں کی طرف سے فٹبال کھیل چکے تھے۔

میں ان کا پہلا بچہ تھا، اور صرف ان کا ہی نہیں، بلکہ دادھیال اور نانیہال دونوں طرف کا پہلا بچہ۔

اس تصویر میں ان کی آنکھیں خوشی سے چمک رہی ہیں، ان کی مسکراہٹ میں وہ سرشاری ہے جو شاید پہلی بار باپ بننے کی خوشی سے جنم لیتی ہے۔

وہ لمس، جو مجھے یاد نہیں، مگر جس کی گواہی وہ تصویر دیتی ہے، وہی میرے وجود کی پہلی حفاظت تھی۔

اس لمس کے بعد ہی انہوں نے مجھے زندگی کی ان سب باتوں سے آشنا کیا جو انسان کو اُڑنے کے قابل بناتی ہیں۔

میں جانتا ہوں کہ اگر آج میں کسی قدر بلند اُڑان بھر پایا ہوں تو اس کی بنیاد انہی کے بازو تھے، جو ہمیشہ میرے لیے کھلے رہے۔

اور شاید اسی پہلی روشنی کو محسوس کرتے ہوئے انہوں نے میرا نام ''نور الصباح'' رکھا۔

لفظ 'نور' ان کا محبوب ترین لفظ تھا، روشنی، وضاحت، ہدایت اور ایمان کی علامت۔

وہ چاہتے تھے کہ میں بھی زندگی میں اسی نور کا نمائندہ بنوں۔ میرا نام، میری پہچان، میرے والد کے دل کی روشنی کا عکس ہے۔

سایۂ رحمت، میرے والد کی شفقت

وہ ایک شفیق اور مہربان باپ تھے۔

زندگی نے ان کو دولت کی شکل میں کبھی بہت زیادہ نہیں دیا، مگر اتنا کم بھی نہیں کہ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا پڑے۔

انہوں نے ہمیشہ ہمیں ایک ایسی زندگی دی کہ ہم نے کبھی یہ محسوس نہیں کیا کہ ہم کسی امیر سے کم ہیں۔

ہمیشہ اچھا کھلایا، بہترین پہنایا، اور ہماری خواہشوں کو اس طرح پورا کیا کہ کبھی محرومی کا احساس نہ ہونے دیا۔

ان کی سچی محبت اور دعاؤں کی برکت تھی کہ ہم ہمیشہ بہتری کی طرف بڑھتے رہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم کو یاد نہیں پڑتا کہ کبھی زندگی میں کسی کمی یا محرومی نے ہمیں چھوا ہو۔

ان کی محبت اور تربیت نے ہر خالی جگہ کو بھر دیا، اتنے خاموش، مگر اتنے مکمل انداز میں کہ ہم نے کبھی کسی خالی پن کو محسوس نہیں کیا۔

ہماری معمولی تکلیف پر وہ اتنے پریشان ہو جاتے تھے کہ بعض اوقات ہمیں حیرت ہوتی تھی کہ کیا واقعی یہ اتنی بڑی بات ہے۔

لیکن اگر ہمیں کوئی کانٹا بھی چبھ جاتا، تو ایسا لگتا تھا جیسے کسی نے ان کے دل پر چھری رکھ دی ہو۔

ان کا دل ہمارے لیے دھڑکتا تھا، اور ان کی دعائیں ہماری زندگی کی ڈھال تھیں۔

رات کا وہ منظر، بچپن کا ایک واقعہ

میں بہت چھوٹا سا تھا، ایک رات اچانک مجھے دانتوں میں شدید درد ہوا۔

ابی گھبرا گئے۔ وہ فوراً مجھے لے کر نکل پڑے، نہ وقت دیکھا، نہ موسم، نہ اپنی تھکن۔

انہوں نے مجھے اپنی بانہوں میں بھرا اور مختلف اسپتالوں اور کلینکس کی طرف دوڑتے رہے۔

ہر دروازے پر دستک دی، ہر در پر امید باندھی۔

آخر کار ہم ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں مجھے انجیکشن اور دوا دی گئی۔

وہ پوری رات میری تکلیف کے ساتھ جاگتے رہے۔

ان کی بانہوں نے مجھے صرف سہارا ہی نہیں دیا، بلکہ مجھے اپنے دل کے قریب رکھا، جیسے ہر درد کو وہ خود محسوس کر رہے ہوں۔

یہی حال ہمیشہ رہا۔
وہ کبھی بھی ہماری کسی تکلیف سے بے نیاز نہ ہوئے۔
ان کے لیے ہماری راحت، ان کی عبادت تھی، اور ہماری خوشی، ان کی دعا۔

خاندانی ورثہ، قرآن کی طلب اور اصولوں کی کڑی راہ

ابی، ہمیں اکثر ان کے والد، یعنی ہمارے دادا، حاجی محمد یاسینؒ، کا ایک ایسا واقعہ سنایا کرتے تھے جو ہمارے خاندان کی دینی وابستگی اور اصول پسندی کی ایک بے مثال روایت کو ظاہر کرتا ہے۔

ہمارے پردادا کی شدید خواہش تھی کہ ان کا بیٹا، یعنی محمد یاسین، حافظِ قرآن بنے۔ مگر مسلسل کوششوں کے باوجود ہمارے دادا کسی وجہ سے حفظِ قرآن مکمل نہیں کر پا رہے تھے۔

آخرکار پردادا نے ایک دن سخت قدم اٹھایا، انہوں نے دادا کو گھر سے نکال دیا اور کہا:

''جب تک تم پورا قرآن حفظ نہ کرلو، اس گھر میں تمہارے لیے کوئی جگہ نہیں۔''

یہ کوئی وقتی فیصلہ یا جذباتی ردعمل نہ تھا، بلکہ ان کے اصول، قرآن اور دین سے وابستگی کی وہ پختگی تھی جو نسلوں میں ایمان کے چراغ روشن کر دیتی ہے۔

کچھ دنوں بعد پردادا سخت بیمار ہو گئے۔ دادا ان سے ملاقات کے لیے پہنچے، مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ لوگوں نے سفارش کی تو پردادا نے صرف ایک سوال پوچھا:

''کیا وہ حافظ بن گیا؟''

جواب ملا : ''ابھی نہیں، آدھا قرآن حفظ کیا ہے۔''

انہوں نے کہا:

''اسے واپس بھیج دو۔ میں اپنی بات پر قائم ہوں۔ میں اس کی شکل نہیں دیکھ سکتا۔''

اور وہی دن ان کی زندگی کا آخری دن تھا۔

یہ واقعہ سناتے وقت ابی کی آنکھوں میں نمی آجاتی تھی۔ ان کے لہجے میں دکھ بھی ہوتا، اور ایک خاموش فخر بھی، کہ وہ ایک ایسے خاندان سے ہیں جہاں قرآن اور دین کے لیے اصولوں کی یہ غیر معمولی سختی اور بے مثال سنجیدگی پائی جاتی تھی۔

دادا کی شخصیت، صوفی مزاج اور شریعت کے پابند

ہمارے دادا، حاجی محمد یاسینؒ، جنہیں لوگ مولوی محمد یاسین کے نام سے جانتے تھے، ایک صوفی صفت، عبادت گزار، اور زہد و تقویٰ کی زندگی گزارنے والے بزرگ تھے۔

اس زمانے میں جب دین کے جاننے والے افراد کم تھے، وہ شہر کلکتہ کی معروف مولا علی مسجد کے امام تھے۔ ان کا علمی، دینی، اور روحانی مقام بہت بلند تھا۔

انہوں نے سات مرتبہ حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا، اور وہ بھی اس دور میں جب بحری جہاز سے حج کا نہایت مشکل اور طویل سفر طے کرنا پڑتا تھا۔

ان کے دل میں بیت اللہ اور مدینہ منورہ کے لیے جو ادب اور محبت تھی، اس کی جھلک ان کی ایک خاص ادا سے نمایاں ہوتی تھی:

وہ حج کے دوران کبھی چپل نہیں پہنتے تھے۔

وہ کہا کرتے تھے:

''یہ وہ زمین ہے جہاں رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کے قدم پڑے ہیں، میں اس پر جوتے پہن کر کیسے چلوں؟''

حج سے واپسی پر ان کے پاؤں زخمی ہوجایا کرتے تھے،مگر وہ ہر بار یہی عمل دہراتے۔

ان کے اس انداز میں عشق بھی تھا، ادب بھی، اور ایک کامل یقین بھی، کہ دین کے راستے میں تکلیف بھی سعادت ہے۔

میں لگ بھگ چار سال کا تھا جب ان کا انتقال ہوا۔

مجھے ان کی میت کا ایک منظر یاد ہے،مولا علی مسجد اور مزار کا سارا علاقہ لوگوں سے بھرا ہوا تھا، اور میری دادی ایک گوشے میں بیٹھی سینہ پیٹ رہی تھیں۔

دادا روزانہ لنگر بانٹا کرتے تھے۔فقیروں کی بھیڑ مسجد کے باہر جمع رہتی تھی۔

جو کھانا بچ جاتا، وہ رات کو لے کر نکلتے اور سڑکوں پر بھوکوں کو تلاش کرتے، اور ان کو کھانا کھلاتے۔

اگر کوئی ان سے کہہ دیتا کہ وہ بھوکا سو رہا ہے،تو وہ پہلے ڈانٹتے:

''تم میرے پاس کیوں نہیں آئے؟''

پھر اسے اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلاتے۔

ان کے غصے کے پیچھے بھی محبت اور فکر کا ایک دریا چھپا ہوتا تھا۔

ذکر کی وہ راتیں، حاجی محمد یاسینؒ کی خلوت ِقبرستان

میرے دادا، حاجی محمد یاسینؒ،
اللہ کے ایک نیک بندے تھے،
وہ ایک ایسے ولی صفت انسان تھے
جن کی زندگی ذکر، عبادت اور تنہائی کے نور سے منور تھی۔
ہماری والدہ نے کئی مرتبہ ایک واقعہ بیان کیا
جو میرے دل میں ایک روحانی تصویر کی صورت محفوظ ہے۔
دادا اکثر رات کو قبرستان گوبر انمبر 1 جایا کرتے تھے
جہاں وہ دو دوست کی قبروں کے پاس بیٹھ کر ذکر، تسبیح، اور خاموش عبادت میں مشغول ہو جاتے۔
ان کی تنہائی، قبرستان کی خاموشی، اور دل کی لگن،
ایک ساتھ مل کر ایسی فضا بناتے تھے جہاں دنیا غائب ہو جاتی تھی، اور صرف خدا رہ جاتا تھا۔
امی نے بتایا کہ کئی مرتبہ دادا مجھے بھی ساتھ لے جاتے۔
مجھے گود میں اٹھاتے، والدہ سے دودھ کی بوتل لیتے، اور قبرستان کے اس تاریک مگر پرنور گوشے میں مجھے ایک طرف لٹا دیتے۔
پھر خود ذکر و اذکار، اور عبادت میں مشغول ہو جاتے۔
یہ واقعہ میرے لیے صرف ایک یاد نہیں،

بلکہ اس خاندان کی روحانی وراثت کا وہ پہلا لمس ہے
جس میں محبت، عبادت، اور خاموشی کا حسن جمع ہے۔

ابی، مسجد کے امام، گھر کے بھی امام

ابی صرف مسجد کے امام نہیں تھے، وہ ہمارے گھر کے بھی امام تھے۔
ان کی امامت صرف نماز پڑھانے تک محدود نہ تھی، بلکہ وہ ہر اُس پہلو میں امام تھے جو انسان کی شخصیت، اس کی فکر، اس کے عمل اور اس کے اخلاق کو سنوارتا ہے۔
گھر میں ان کی حیثیت محض ایک باپ کی نہیں تھی، بلکہ وہ ایک رہنما، ایک معلم، اور ایک روحانی ستون تھے۔
ہم سب ان کی امامت میں جیتے تھے۔
وقت پر جاگنا، وقت پر سونا، کھانے پینے کے آداب، صفائی ستھرائی، گفتگو کا انداز، سچ بولنا، بڑوں کا احترام، چھوٹوں پر شفقت۔
یہ سب محض ہدایات نہیں تھیں، یہ ان کی ذاتی زندگی کے عملی نمونے تھے۔
گھر میں وہ نہایت اصول پسند انسان تھے۔
وہ کسی معمولی سی خلاف ورزی کو بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔
چاہے وہ تاخیر سے اٹھنا ہو، نماز میں کوتاہی، یا کھانے میں بے ترتیبی۔
ان کی ناراضی بجلی کی مانند ہوتی تھی، لمحوں میں محسوس ہو جاتی،
اور ان کی ناراضی کا سب سے بڑا اثر ان کی خاموشی ہوتی تھی۔

وہ کچھ کہے بغیر صرف دیکھ لیتے تھے، اور ہمیں اپنی غلطی یاد آجاتی تھی۔
لیکن اس سختی کے پیچھے جو محبت تھی، وہ بے مثال تھی۔
ان کے اصولوں کی سختی ہمیں سیدھا رکھتی تھی، اور ان کی دعائیں ہمیں بلند کرتی تھیں۔
وہ اکثر کہا کرتے تھے:
''میں چاہتا ہوں میرے بچے وہ بنیں جنہیں دیکھ کر لوگ کہیں، یہ کسی عظیم انسان کا تربیت یافتہ ہے۔''
گھر میں وہ اپنی بیوی (فریدہ اسماعیل) کے لیے مشورہ دینے والے شوہر،
اور اپنے بچوں کے لیے ایسے باپ تھے جو ہر وقت ہماری فکر میں رہتے۔
وہ خود مدرسہ اور اسکول کے نظام کو سمجھتے تھے، اس لیے وہ ہماری تعلیم، حتیٰ کہ ہماری تحریر تک پر نگاہ رکھتے۔ اور ایسے مشورے دیتے جو نہایت بہترین ہوتے تھے۔
وہ بچوں سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔
اگر کوئی بیمار ہو جاتا تو وہ خود تیمارداری کرتے، دوا دیتے، دم کرتے۔
ایسے موقع پر خود بھی 'یا سلام، یا سلام' پڑھتے اور ہمیں بھی تاکید کرتے۔
ان کے چہرے پر فکر واضح نظر آتی۔
اگر ہم کسی دن ناراض ہو جاتے تو وہ خاموشی سے ہمیں منانے کی ترکیب کرتے۔
وہ اپنے ملازموں سے بھی انتہائی حسنِ سلوک کرتے۔
اگر کبھی کسی کو ڈانٹتے، تو تھوڑی دیر بعد اسے بلا کر کچھ نہ کچھ انعام دیتے۔
ابی کہتے تھے:
''غصہ وقتی ہوتا ہے، مگر محبت دائمی۔ اگر کسی پر سختی کرو تو بعد میں اس کا دل بھی جیتو۔''

ہمارے گھر کی فضا میں دین کی خوشبو ہوتی تھی۔
صبح کی تلاوت، اذان کی آواز، نماز کا اہتمام، ذکر و اذکار، اور جمعہ کی تیاری
سب کچھ ایک تربیت گاہ کی طرح تھا۔
ان کا ہر عمل، ان کا ہر حکم، اور ان کی ہر دعا
گھر کی بنیادوں میں بسا ہوا لگتا تھا۔
وہ ہمیں صرف زندگی نہیں گزارنے دیتے تھے،
بلکہ ایک مقصد کے ساتھ جینا سکھاتے تھے۔
وہ واقعی مسجد کے بھی امام تھے، اور ہمارے دلوں کے بھی۔

صدقہ و خیرات، ان کا خاص عمل، ان کی خاموش سنت

صدقہ و خیرات ابی کی شخصیت کی ایک ایسی نمایاں صفت تھی
جس میں ایمان، اخلاص، حکمت اور تربیت، سب جمع تھے۔
وہ نہ صرف خود صدقہ کیا کرتے تھے،
بلکہ ہمیں بھی سکھاتے تھے کہ دینا سیکھو، دل سے، ہاتھ سے، اور چھپ کر۔
اکثر ایسا ہوتا کہ وہ کسی فقیر کو کچھ دیتے،
مگر ہمارے ہاتھ سے دلواتے، کہتے:
"عادت بنے گی تو دل نرم رہے گا، اور دینا سیکھو گے تو پانا خود بخود آئے گا۔"
کبھی وہ خاموشی سے، کسی کو بتائے بغیر کسی ضرورت مند کی مدد کر دیتے۔

ایسا لگتا جیسے اللہ اور بندے کے بیچ بس وہی ایک واسطہ بننا چاہتے ہوں۔
ان کا ایمان تھا کہ: صدقہ ہر درد کی دوا ہے، اور ہر مصیبت کا علاج۔
اللہ بڑی بڑی بلاؤں کو، ان دیکھے خطرات کو،
اور اچانک آنے والے دکھوں کو صدقے کے ذریعے ٹال دیتا ہے۔
ہم نے بارہا دیکھا کہ
اگر گھر میں کوئی بیمار پڑا، یا کوئی اندیشہ پیدا ہوا،
یا کسی بری خبر کی آہٹ ملی، تو وہ فوراً صدقے کا اہتمام کرتے،
یا کم از کم نیت ضرور کرتے۔
اور ہم نے خود صدقے کی برکتیں دیکھی ہیں،
کیسے وہ دعاؤں کی طرح راستہ بدل دیتا، اور کیسے پریشانیاں لمحوں میں دور ہو جاتیں۔
ان کے صدقہ کرنے کا انداز
نہ دکھاوے کا تھا، نہ رسم کا بلکہ ایک درد دل، ایک دعا، اور ایک یقین کا تھا۔

خوش الحان قاری، مؤثر خطیب

ابی، قاری محمد اسماعیل ظفرؒ، نہ صرف ایک عظیم حافظِ قرآن تھے، جو پابندی سے ہر سال مولا علی مسجد میں رمضان میں تراویح کے دوران مکمل قرآن سناتے تھے
بلکہ اپنی زبان و بیان، خوش الحانی اور تقریری انداز سے بھی لوگوں کے دلوں پر گہرا اثر چھوڑتے تھے۔

ان کی آواز میں وہ تاثیر تھی جو دلوں کو گرماتی، روح کو جھنجھوڑتی، اور ذہن کو بیدار کرتی تھی۔

وہ ایک نہایت خوش الحان قاری تھے۔

جمعہ کا خطبہ دینے کے لیے جب وہ مولا علی مسجد کے منبر پر چڑھتے،

تو مسجد کے اطراف کے علاقے لوگوں سے بھر جاتے۔

دور دور سے لوگ ان کا خطبہ سننے آتے تھے۔

ان کا اندازِ خطابت سادہ، پر اثر، اور دل نشین ہوتا تھا۔

ان کی زبان میں نہ دکھاوا تھا، نہ تصنع، بس سچائی، خلوص اور ایمان کی روشنی۔

انہوں نے ایک بار آل انڈیا قرأت مقابلہ میں دوسری پوزیشن حاصل کی تھی۔

یہ مقابلہ ناگپور میں منعقد ہوا، جس کی نگرانی معروف عالم دین،

خادمِ قرآن، مولانا عبدالکریم پاریکھؒ کر رہے تھے۔

اسی موقع پر مولانا پاریکھ صاحب نے نہ صرف ابی کی قراءت کو سراہا،

بلکہ ان سے قلبی تعلق بھی قائم کر لیا۔

وہ انہیں بیٹے کی طرح ماننے لگے تھے۔

اور یہی نسبت مجھ تک بھی پہنچی۔

مولانا پاریکھ صاحبؒ نے مجھ سے بھی بے پناہ محبت اور شفقت کا سلوک فرمایا۔

ابی کی زبان اور ان کے الفاظ صرف ادا نہیں تھے،

وہ فکر کا عکس، تربیت کا نتیجہ، اور روح کی سچائی تھے۔

ان کا ہر جملہ دل میں اتر جاتا تھا۔

اسی لیے ان کی گفتگو، خطبات، اور تعلیمات صرف سننے کا عمل نہیں تھا
بلکہ ایک روحانی تجربہ ہوتا تھا۔

علمی و عملی سفر، درسگاہ سے محراب تک

حفظِ قرآن مکمل کرنے کے بعد ابی نے اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا اور اردو و انگریزی دونوں زبانوں میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔

وہ نہ صرف حافظِ قرآن تھے، بلکہ علمِ دین، زبان و ادب، اور فکری مباحث کے گہرے شناور بھی تھے۔

ان کی علمی تڑپ اور تعلیمی وابستگی انہیں مدرسہ عالیہ کی درسگاہ تک لے گئی، جہاں انہوں نے تدریسی خدمات انجام دینا شروع کیں۔

مگر جب دادا کا وقتِ رخصت قریب آیا، تو انہوں نے ابی کو بلا کر ایک وصیت کی:

''اب تم مسجد میں آجاؤ۔ اپنی زندگی کو خالص دینی خدمت کے لیے وقف کر دو۔
جو کچھ تمہیں کرنا ہے، جو کچھ تمہیں بننا ہے، وہ سب یہیں سے ہونا ہے۔''

یہ فیصلہ صرف ایک وصیت نہیں تھا،
بلکہ ایک روحانی وصال تھا، نسل در نسل جاری رہنے والی دینی روایت کی ایک اور کڑی۔

پھر ابی نے نہ صرف مسجد کی امامت سنبھالی،
بلکہ اپنی پوری زندگی کو دینی، تعلیمی، ادبی، اور سماجی خدمات کے لیے وقف کر دیا۔

وہ ایک بہترین فٹبالر بھی تھے،
انہوں نے محمدن سپورٹنگ کلب جیسے مشہور کلب کی طرف سے فٹبال کھیلا۔
لیکن دادا کی وفات کے بعد انہوں نے سب کچھ چھوڑ دیا۔
کھیل، ملازمت، دنیاوی مشغلے، اور خود کو دین کی خدمت کے لیے مکمل طور پر وقف کر دیا۔

یہی وہ لمحہ تھا جب
ایک قاری، ایک استاد، ایک کھلاڑی،
سب کچھ ایک خادمِ دین میں سمٹ گیا،
اور وہ بن گئے:
قاری محمد اسماعیل، ظفرؒ، ہمارے ابی، ہمارے رہنما، اور ایک عظیم مثال۔

مسجد اور قرآن سے میری وابستگی، ایک وصیت کا تسلسل

میرے دادا، حاجی محمد یاسینؒ نے جس روحانی وراثت کی بنیاد رکھی،
اور میرے ابی، قاری محمد اسماعیل ظفرؒ نے جسے اپنے خونِ جگر سے سینچا،
اسی نسبت کو برقرار رکھنے کی وصیت اور تاکید انہوں نے مجھ سے بھی کی۔
انہوں نے بارہا مجھے کہا:
"مسجد اور قرآن سے اپنا تعلق کبھی نہ توڑنا۔
قرآن کو اپنا امام بنانا، اور اس کی خدمت کو ہر حال میں اپنا فرض سمجھنا۔"

یہ وصیت میرے لیے محض ایک نصیحت نہیں،
بلکہ ایک امانت ہے، ایک ایسا روحانی عہد جسے میں نے دل کی گہرائیوں میں جگہ دی۔

الحمدللہ!
اپنے ابی کی زندگی ہی میں، اور ان کی دعاؤں کے سایے میں،
میں لگ بھگ گزشتہ تیس برس سے مسجد سے وابستہ ہوں۔
بالخصوص مولا علی مسجد میں،
میں باقاعدگی سے جمعہ کی امامت اور خطابت کی ذمہ داری ادا کر رہا ہوں۔
یہ بات میرے لیے باعثِ شکر ہے کہ
تمام تر علمی، دینی، ادبی، سماجی اور رفاہی مشغولیات کے باوجود،
میرا رشتہ قرآن اور مسجد سے کبھی منقطع نہیں ہوا۔
یہی رشتہ، یہی نسبت، اور یہی وصیت،
میرے ہر عمل، ہر جذبے، اور ہر خدمت کی بنیاد ہے۔

خدمت و تبلیغِ قرآن، ہمارا بنیادی مشن

یہ صرف ایک نظریہ نہیں،
بلکہ ہماری نسلوں کی سانسوں میں رچی ہوئی وہ صدا ہے
جو کبھی منبر سے گونجی،

کبھی مدرسے کے کمرے میں سنائی دی،
اور کبھی ایک باپ نے اپنے بیٹے کے دل میں بسادی۔
قرآن سے رشتہ ہمارے پردادا، اور دادا، حاجی محمد یاسینؒ سے شروع ہوا،
جن کی راتیں ذکر واذکار میں گزرتی تھیں،
اور جنہوں نے قرآن سے محبت کا حیرت انگیز نمونہ پیش کیا۔
پھر ہمارے ابی، قاری محمد اسماعیل ظفرؒ
جنہوں نے قرآن کو نہ صرف یاد کیا،
بلکہ پڑھایا، سُنایا، سمجھایا، اور جِیا۔
اور اب، اسی نورانی سلسلے کو میں اپنی زندگی کے ہر میدان میں تھامے ہوئے ہوں، الحمدللہ
چاہے وہ منبر ہو، مدرسہ ہو، مجلس ہو یا مکتب۔
ہماری فکر کی بنیاد، ہماری ہر جدوجہد کا محور،
اور ہمارے ہر عمل کا مقصد، خدمت و تبلیغِ قرآن ہے۔

فرمانِ الٰہی سے نورِ قرآن تک، قلم کے ذریعے خدمتِ قرآن

قرآن سے رشتہ صرف زبانی نہیں،
ہماری نسلوں میں یہ رشتہ قلبی، عملی، اور قلمی رہا ہے۔
اور اسی نسبت کی روشنی میں

میرے ابی، قاری محمد اسماعیل ظفرؒ نے مجھے ایک ایسا کام سونپا
جو بظاہر ایک کالم تھا،
لیکن حقیقت میں قرآنی خدمت کی ایک مسلسل مہم تھی۔
ابی کے حکم اور تاکید کے مطابق،
میں نے اخبار مشرق، کلکتہ میں ایک درسِ قرآن کا مستقل کالم شروع کیا
جس کا عنوان تھا: "فرمانِ الٰہی"۔
یہ سلسلہ تقریباً 26 سال جاری رہا اور 1262 کالمز کے ذریعے،
پورے قرآن کا ترجمہ، تشریح، تفسیر اور توضیح مکمل ہوئی، الحمدللہ۔
یہ محض میرا ذاتی عمل نہیں تھا بلکہ ابی کی فکر، رہنمائی اور ہدایت کا تسلسل تھا۔
اس کام کے آغاز کے لیے انہوں نے اخبار مشرق کے ایڈیٹر، وسیم الحق صاحب (ان کے قریبی دوست) سے بات کی،
اور اس کے بعد اخبار کے نائب مدیر، معروف عالم اور صحافی، احسن مفتاحی صاحب سے خصوصی گزارش کی۔
شروع کے دنوں میں احسن مفتاحی صاحب نے نہ صرف مجھے علمی رہنمائی دی،
بلکہ میری تحریر، اسلوب، تفسیر اور ترتیب پر خصوصی نگرانی بھی کی۔
ان کی یہ رفاقت میرے لیے ایک نعمت سے کم نہ تھی۔
جب قرآن کا پورا سلسلہ مکمل ہوا،
تو اخبار مشرق کی طرف سے ایک عظیم الشان تہنیتی پروگرام منعقد کیا گیا
جس کا انعقاد مغربی بنگال اردو اکیڈمی کے ہال میں ہوا۔

وہ دن میرے ابی کے لیے انتہائی مسرت وفخر کا دن تھا
اور اتفاق سے وہی ان کی زندگی کا آخری باقاعدہ پروگرام تھا
جس میں وہ خود بنفسِ نفیس شریک ہوئے۔
مگر ان کی فکر ختم نہ ہوئی۔
انہوں نے بعد ازاں بھی فرمایا:
"یہ کام رکے نہیں، قرآن کی تشریح وتبلیغ کا یہ سلسلہ جاری رہنا چاہیے۔"
اسی تاکید کے تحت،
میں نے ایک نیا سلسلہ شروع کیا: "نورِ قرآن" کے عنوان سے
جس کے تحت ہر ہفتہ ایک رکوع کا ترجمہ اور توضیح پیش کی جاتی ہے۔
اب تک اس کے 83 کالم شائع ہو چکے ہیں
اور یہ سلسلہ بحمداللہ آج بھی جاری ہے۔
اسی کے ساتھ، تین بار پورا رمضان،
کلکتہ کے معروف ٹی وی چینل 'تازہ ٹی وی' پر میرا قرآنی درس پر مبنی پروگرام نشر ہوا
جسے ہندوستان ہی نہیں، دنیا بھر میں دیکھا اور سراہا گیا۔
یہ سب میرے ابی کی فکر، تربیت اور مسلسل ہدایت کا ہی ثمر ہے
جنہوں نے مجھے ہمیشہ یاد دلایا:
"قرآن سے جڑے رہو، اور دوسروں کو بھی اس نور سے جوڑو۔"

باب العلوم، ایک تعلیمی خواب کی تعبیر

جب ابی نے اپنا رشتہ مسجد اور دین سے پوری طرح جوڑ لیا،
تو انہوں نے اسی مسجد میں ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی
جس کا نام تھا : مدرسہ باب العلوم۔
یہ ایک منفرد نوعیت کا مدرسہ تھا،
جسے انہوں نے ایک نئے طرزِ تعلیم کے ساتھ قائم کیا۔
یہ مدرسہ صرف حفظِ قرآن یا دینیات تک محدود نہ تھا،
بلکہ ایک ہمہ جہت تعلیمی ادارہ تھا
جہاں دینی اور عصری دونوں تعلیمات بیک وقت دی جاتی تھیں۔
یہاں حفظِ قرآن کا باقاعدہ شعبہ تھا
اردو، انگریزی، عربی، ہندی، بنگلہ، پانچ زبانیں پڑھائی جاتی تھیں
حساب، تاریخ، جغرافیہ جیسے عصری مضامین بھی نصاب میں شامل تھے
اس جامع نظامِ تعلیم کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ
یہاں سے نکلنے والے طلبہ دینی و عصری دونوں میدانوں میں کامیاب ہوئے۔
کچھ نے ندوۃ العلماء جیسے بڑے اداروں میں داخلہ لیا۔

جیسا کہ میں خود، دس برس کی عمر میں ندوہ چلا گیا، پھر وہاں سے عالمیت کے بعد بی اے کرنے کے لیے جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی، پھر ایم اے کے لیے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور اس کے بعد ڈاکٹریٹ کے لیے لکھنؤ یونیورسٹی گیا۔

کچھ نے اسکولوں میں تعلیم جاری رکھتے ہوئے عصری علوم میں مہارت حاصل کی۔
میرے بعد میرے چھ بھائی اسکولوں کے راستے گئے اور اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔
مدرسہ باب العلوم ابی کی بصیرت، اخلاص، اور قوم کے لیے درد کا مظہر تھا،
ایک ایسا تعلیمی خواب، جو انہوں نے خود تعبیر کیا۔

باب العلوم سے اب تک،
ادارہ سازی اور تربیت کا تسلسل

وقت کے ساتھ ساتھ باب العلوم کے ذریعہ کئی اہم کاموں کا آغاز ہوا۔
ابی نے مدرسہ میں ہمیں نظم وضبط اور کام کے اصولوں کا ایسا طریقہ سکھایا،
جو آج بھی ہمارے لیے رہنما ہے۔
ایسا منظم دفتر شاید کسی مدرسہ میں نہیں تھا
بلکہ اسکولوں میں بھی کم ہی ایسا انتظام ہوتا تھا:
ہر بچے کی ذاتی ڈائری ہوتی
روزانہ آمد ورفت درج ہوتی
والدین کے دستخط لیے جاتے
سالانہ طبی معائنہ کرایا جاتا
ماہر ڈاکٹر بلائے جاتے

آنکھوں، دانتوں، صحت کے لیے الگ کیمپس لگتے
اسپورٹس ڈے، سالانہ پکنک باقاعدگی سے ہوتے
ہر کام کا وقت مقرر ہوتا
ایک منٹ کی تاخیر بھی ناقابل برداشت سمجھی جاتی
کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ ہم جو ناظم اعلیٰ، باب العلوم کے بچے تھے
ہم بھی دو چار منٹ کی تاخیر کی وجہ سے واپس کر دیے گئے
اور ابی نے ہمیں گھر واپس بھیجنے والے کو ڈانٹنے یا سمجھانے کے بجائے الٹا اسے انعام سے نوازا کہ تم نے بہت مثالی کام کیا۔
ابی کی ایک پھوپھی تھیں، انہوں نے ہی ابی کو پالا تھا
وہ مولا علی مسجد کے پاس دادا کے بعد، دادا کے کمرے میں رہتی تھیں، جو بعد میں باب العلوم کا دفتر بن گیا،
وہ ہم سے شدید محبت کرتی تھیں۔
کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ وہ ہماری طرف سے کھڑی ہو جاتی تھیں اور ہماری حمایت کرتی تھیں مگر ابی ان کو بھی سمجھا دیتے تھے کہ قانون شکنی بچوں کو نقصان پہنچائے گی۔
یہی وہ تربیت اور تنظیم تھی جس نے ہمیں زندگی کے آداب سکھائے۔
اسی نظم ونسق کے نتیجے میں باب العلوم کے زیرِ سایہ کئی ادارے کامیابی سے چل رہے ہیں۔
انہی اداروں میں شامل ہے،
جبریل انٹرنیشنل اسکول،

شہر کا معروف اسلامی انگریزی میڈیم اسکول
جو آج اپنی علمی کاوشوں کی بنا پر ملک بھر میں پہچانا جاتا ہے
اور
اے ہینڈ
ایک غیر سرکاری، سماجی و رفاہی ادارہ
جو، ابی کی فکر کا تسلسل ہے
جہاں
غریب بچوں کی تعلیم
فری اسکول
ہفتہ واری کھانے کی تقسیم
فری میڈیکل کیمپ
ضرورت مندوں کی امداد
جیسے کام انجام دیے جاتے ہیں
یہ سب کچھ ابی کے خوابوں، اصولوں، اور تربیت کا ثمر ہے
ایک ایسی روشنی جو آج بھی ہمارے راستے روشن کر رہی ہے۔

ندوہ سے خط وخطابت،
جذبات اور نصیحتوں کی تحریری گواہی

جب میں ندوۃ العلماء، لکھنؤ میں تعلیم حاصل کر رہا تھا،
تو وہ ایک ایسا زمانہ تھا جب ٹیلی فون عام نہیں تھا۔
والدین سے رابطے کا واحد ذریعہ خطوط ہوا کرتے تھے۔
ابی مجھے بہت لمبے، تفصیلی خطوط لکھتے تھے
جن میں:
محبت، نصیحت، درد، اشعار اور دعائیں
...سب کچھ شامل ہوتا تھا۔
جب بھی ان کا یا امی کا کوئی خط آتا،
میں اُسے لے کر کسی خاموش گوشے میں چلا جاتا
کیونکہ مجھے معلوم ہوتا تھا کہ
اس خط کو پڑھنے کے بعد میں بہت دیر تک روتا رہوں گا۔
ابی کی تحریر میں وہ الفت تھی کہ
دل بھر آتا تھا، اور آنکھیں بھی۔
وہ ہر لفظ میں میرے لیے
ایک بیٹے کو باپ کی طرف سے

محبت، فکر، اور تربیت کا ایک مکمل پیغام سونپ دیتے تھے۔
یہ خطوط صرف الفاظ نہیں تھے
یہ ملاقاتیں تھیں،
یہ دعائیں تھیں،
اور ایک ایسے والد کا
اپنے بیٹے کے لیے بے پناہ پیار تھا
جو وقت اور فاصلے کی دیواروں کو قلم کی روشنائی سے توڑ دیتا تھا۔
آج بھی، اگر میں اُن خطوط میں جھانکوں
تو وہی آواز سنائی دیتی ہے:
نصیحت میں محبت، اور محبت میں روشنی۔

ہم بھائیوں کے نام،
ابی کی ایک خاص نظم

یہاں پہ دین بکتا ہے، یہاں ایمان بکتا ہے
یہاں انجیل بکتی ہے، یہاں قرآن بکتا ہے
یہاں اوتار بکتے ہیں، یہاں بھگوان بکتا ہے
یہاں ہر چیز بکتی ہے، بتاؤ کیا خریدو گے؟

اس نظم میں ابی نے اپنے بیٹوں کو محض شاعرانہ کلام نہیں دیا
بلکہ ایک سوالنامہ، اور ایک بیداری کا منشور بھی دیا ہے۔
وہ دنیا کی اس منڈی کو دکھا رہے ہیں جہاں:
ایمان سے لے کر علم تک،
مذہب سے لے کر عدل تک،
فکر سے لے کر فن تک،
پیار سے لے کر صحافت تک،
ہر چیز فروخت کے لیے موجود ہے۔
وہ اپنے بیٹوں سے یہ نہیں کہتے کہ کیا خریدو گے؟
بلکہ یہ سوال تمثیلی انداز میں پوچھ کر اصل میں انہیں یہ سمجھا رہے ہیں کہ:
میرے بچو!
اس دنیا میں سب کچھ بکتا ہے
مگر تم اپنے ایمان کو نہ بیچنا،
تم اپنی خودداری، صداقت، کردار، اور فکر کو نہ بیچنا۔
تم یہ نہ دیکھنا کہ کیا چیز بازار میں ہے
بلکہ یہ دیکھنا کہ تمہاری قیمت کیا ہے۔
یہ نظم دراصل زمانے کے سوداگر بازار میں کھڑے سات بیٹوں کو آواز دے کر کہتی ہے:

تم کیا بنو گے؟ تمہارا سودا کیا ہوگا؟ یا تم اس بازار میں ایک چراغ بنو گے؟
ابی اپنے بچوں کو حق و باطل کے درمیان بیدار، آزاد اور صاحبِ کردار انسان بنانا چاہتے تھے۔
ان کی یہ نظم اسی خواہش کا ایک قلمی اعلامیہ ہے۔

دعاؤں میں لپٹا ہوا تحفہ،
میرے نکاح کے موقع پر ابی کی دعائیہ نظم

ابی نے میری شادی کے وقت مجھے اور میری اہلیہ عظمت آرا نور کو دعاؤں اور نصیحتوں سے بھری ہوئی ایک ایسی نظم کا تحفہ دیا جو اپنی مثال آپ ہے۔
ان کی اس طویل کے نظم کے چند اشعار یہ ہیں:

حسین صبح ملے، شامِ مشک بار ملے
صباحؔ راہ میں ہر گام پر بہار ملے

حیات نو کی کڑی دھوپ میں دعا ہے مری
قدم قدم پہ تجھے پیڑ سایہ دار ملے

حیاتِ نو کے سفر کی، طویل راہوں میں
جو چاہے کچھ نہ ملے، فضلِ کردگار ملے

اِدھر دُعائے ظفؔر ساتھ ہو، اُدھر ماں کی
ہمیشہ تجھ کو زمانے میں، سب کا پیار ملے

یہ نظم صرف اشعار نہیں، ایک باپ کی بیٹے کے لیے دعا ہے۔
ایک دعا جو زندگی کے ہر موڑ پر راحت کا پیغام بنے
ہر اندیشے میں چھاؤں کی چھتری بنے
ہر موسم کی تندی میں تحمل کا سایہ بنے
اور ہر قدم پر اللہ کی رحمت ساتھ چلے

یہ نظم واضح کرتی ہے کہ ابی نہ صرف ایک قاری و مربی تھے،
بلکہ بہترین باپ، اچھے شاعر، اور زندگی کے نازک موقعوں پر دعا گو رہنما بھی تھے۔

دُعا، تشکر، اور روشنی کا سفر

اس تحریر کو مکمل کرتے ہوئے میرا دل عجیب کیفیت میں ہے۔
ایک طرف شکر ہے کہ میں ابی کی یادوں کو لفظوں میں سمیٹنے کی توفیق پا سکا،

اور دوسری طرف احساسِ کمی ہے کہ اتنے بلند، اتنے سچے، اور اتنے بے مثال والد کے لیے

میرے الفاظ شاید کبھی کافی نہیں ہو سکتے۔

قاری محمد اسماعیل ظفرؒ صرف میرے والد نہ تھے،

وہ ایک نظامِ فکر تھے،

ایک چراغِ تربیت تھے،

اور ایک ایسی آواز تھے جو دلوں کو جگاتی تھی،

دعاؤں کو بیدار کرتی تھی، اور کردار کو صیقل کرتی تھی۔

آج جب میں ان کے بارے میں لکھ رہا ہوں،

تو درحقیقت میں خود کو لکھ رہا ہوں

کیونکہ میری ہر پہچان، ہر خوبی، ہر خواب

انہی کی دی ہوئی تربیت کا عکس ہے۔

یہ تحریر ایک بیٹے کی طرف سے

صرف ایک یاد نہیں،

بلکہ ایک عہد بھی ہے:

میں ان کے چراغ کو بجھنے نہیں دوں گا۔

میں ان کی دُعا کو اپنی نسلوں تک لے جاؤں گا۔

میں ان کی فکری روشنی کو اپنے قلم اور کردار سے زندہ رکھوں گا۔

آخر میں، اللہ رب العزت سے یہی دعا ہے کہ:

یااللہ!

ہمارے ابی، قاری محمد اسماعیل ظفرؒ کو اپنی خاص رحمتوں کے سائے میں رکھ،

ان کے درجات کو بلند فرما،

ان کی قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنا،

اوران کے ہر نقشِ خیر کو ہمارے لیے ذریعۂ مغفرت بنا۔

اے رب کریم!

ہمیں ان کے لیے صدقۂ جاریہ بننے کی توفیق عطا فرما،

ہمارے عمل، ہماری دعائیں، ہمارے الفاظ، سب ان کے حق میں مقبول فرما۔

اور یااللہ!

ہمیں اس قرآن پر یقین ہے جس پر وہ ایمان لائے،

جسے انہوں نے اپنی زندگی کا محور بنایا،

جسے وہ پڑھتے، سکھاتے، اور جیتے تھے۔

ہمیں یقین ہے، اور اے اللہ، ہم گواہی دیتے ہیں

کہ تُو نے قرآن میں وعدہ فرمایا ہے:

"وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُم بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ..." (الطور 21 :)

" جو لوگ ایمان لائے، اور ان کی اولاد بھی ایمان میں ان کے نقشِ قدم پر چلی،

تو ہم قیامت کے دن ان کی اولاد کو ان سے ملا دیں گے۔"

یااللہ!

ہم تیرے اس وعدے پر یقین رکھتے ہیں

تو یہ وعدہ ہمارے حق میں پورا فرما۔
ہماری التجا ہے کہ قیامت کے دن
ہم سب بھائیوں کو ہمارے اَبیّ سے ملا دے،
ہم پھر سے ان کا دیدار کریں،
ان کی زیارت سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں،
اور ہمارے بے قرار دلوں کو ان کی ملاقات سے سکون و قرار ملے۔
یا اللہ!
اس فانی دنیا میں جو لمحے ہمیں ان کے سایۂ رحمت میں بسر کرنے کو ملے،
ہم ان پر تیرے شکر گزار ہیں
اور تجھ سے التجا کرتے ہیں کہ وہ سایہ،
جو ہمیں اس دنیا میں عارضی سکون عطا کرتا رہا،
آخرت میں ہمارے لیے دائمی روشنی،
اور جنت میں ابدی ہم نشینی کا سبب بن جائے۔
آمین، یارب العالمین۔

ابتدائی گفتگو

والد محترم کی علمی و دینی بصیرت

عبدالباسط اسماعیل

والدِ محترم، قاری اسماعیل ظفر رحمہ اللہ کی علمی گہرائی، دینی بصیرت اور تجدیدی خدمات کا ایک زمانہ معترف ہے۔ خصوصاً شہرِ نشاط کلکتہ میں ان کی دینی خدمات نے ایک نئی روح پھونکی، اور ان کے فیضانِ علم سے سیکڑوں اہلِ علم، حفاظِ کرام، دانشورانِ عظام اور علمائے کرام نے استفادہ کیا۔ وہ ایک ایسے چراغ تھے جو اپنے گردونواح میں علم کی روشنی بکھیرتے رہے اور ہر سطح پر دینِ اسلام کی سچائی، سادگی اور گہرائی کو عام کیا۔

قاری صاحب رحمہ اللہ کا شمار اُن نایاب شخصیات میں ہوتا ہے جنہوں نے قرآن وسنت کو اپنی زندگی کا مرکز ومحور بنایا۔ وہ اس حقیقت کے قائل تھے کہ دینِ اسلام صرف دو مضبوط ستونوں پر قائم ہے : قرآن اور سنت، اور ان کے علاوہ دین کی کوئی تیسری بنیاد

نہیں۔ وہ اسی راستے پر پوری استقامت، خلوص اور فدائیت کے ساتھ گامزن رہے۔

میرے والد قاری اسماعیل ظفرؒ ایک باایمان، مضبوط کردار کے مالک، بے لوث خادمِ دین اور بے باک حق گو تھے۔ انہوں نے ہمیشہ سچ کو سچ کہا، چاہے اس کی کتنی ہی قیمت کیوں نہ چکانی پڑی۔ وہ ایک سچے معلم اور مربی تھے جنہوں نے اپنے شاگردوں کی تربیت و کامیابی کے لئے ہر طرح کی تکلیف کو خندہ پیشانی سے قبول کیا۔ ہم آج بھی یاد کرتے ہیں کہ ان کے گھریلو حالات کبھی کبھار ایسے ہوتے کہ وہ چاہتے تو کسی اور شعبے کا انتخاب کر کے بہتر مالی وسائل حاصل کر سکتے تھے، مگر انہوں نے علم کے راستے کو ترجیح دی کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

"من سلك طريقًا يلتمس فيه علمًا سهل الله له به طريقًا إلى الجنة"

"جو شخص علم کے راستے پر چلتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے۔"

انہوں نے نہ صرف ایک استاد کا فریضہ انجام دیا بلکہ ایک مصلح کی حیثیت سے بھی معاشرے میں موجود دینی طبقے سے متعلق غلط رجحانات، بدگمانیوں اور گرد و غبار کو صاف کیا۔ انہوں نے اساتذہ کے کردار کو عوام کی نظروں میں بلند مقام عطا کیا، اور اس بات کو عملی طور پر ثابت کیا کہ ایک استاد صرف علم دینے والا ہی نہیں، بلکہ سنتِ رسول ﷺ کا امین اور نمائندہ بھی ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "إنما بعثت معلماً"

"میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔"

اس کتاب کو قارئین کے سامنے پیش کرتے ہوئے مجھے قلبی مسرت اور روحانی فرحت

محسوس ہورہی ہے۔ یہ کتاب قاری اسماعیل ظفر رحمہ اللہ کی زندگی کے مختلف گوشوں پر مشتمل ہے، جن پر مختلف اصحابِ علم وقلم نے خلوص ومحبت کے ساتھ سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔ یہ مضامین ان کی زندگی کا آئینہ ہیں سچائی سے بھرپور، عکاسِ کردار اور گواہِ اخلاص۔

میری تمام قارئین کرام سے عاجزانہ گزارش ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ کریں، اپنے عزیز واقارب کو بھی اس کے مطالعے کی ترغیب دیں، اور والدِ محترم قاری اسماعیل ظفر رحمہ اللہ کے حق میں دعائے مغفرت کریں۔

کہ رب العالمین انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے، اوران کے فیضِ علم کو تا قیامت جاری وساری رکھے۔

آمین یارب العالمین۔

قاری اسماعیل ظفرؒ ایک روشن چراغ

محمد خالد ندوی غازی پوری

نبی اکرمؐ کا ارشاد ہے (اپنے مرحومین کی خوبیاں یاد کرو)۔ اسی روایت کی روشنی میں جب ہم حضرت مولانا قاری اسماعیل ظفر رحمۃ اللہ علیہ کی حیاتِ طیبہ پر نظر ڈالتے ہیں، تو ان کی ذات ایک روشن چراغ کی مانند نظر آتی ہے، جو علم، تقویٰ، اخلاص اور خدمتِ دین کے اعلیٰ ترین اوصاف سے مزین تھی۔ ان کی زندگی کا ہر پہلو عظمت و رفعت کا حامل تھا، اور ان کی خدمات کا دائرہ محض ایک فرد تک محدود نہ تھا بلکہ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن کی حیثیت رکھتے تھے۔

خوش قسمتی کا مفہوم

مولانا قاری اسماعیل ظفر رحمۃ اللہ علیہ کو خوش قسمت محض اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ آج ان کی محاسن کا تذکرہ ہو رہا ہے، بلکہ ان کی اصل خوش قسمتی یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے ان کی محنتوں اور اخلاص کے اثرات کو لازوال بنا دیا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(جولوگ ایمان لائے اوران کی اولاد بھی ایمان میں ان کے نقشِ قدم پر چلی، ہم ان کی اولاد کو بھی ان کے ساتھ جوڑ دیں گے اور ان کے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہ کریں گے۔)

یہ آیت مبارکہ واضح کرتی ہے کہ جولوگ اپنے ایمان اوراعمالِ صالحہ کے ذریعے اللہ کے قریب ہوتے ہیں، ان کی نسلیں بھی ان کے ایمان واخلاص کے اثرات سے فیض یاب ہوتی ہیں۔آج مولانا قاری اسماعیل ظفر رحمۃ اللہ علیہ کی اولادِ صالحہ نہ صرف ان کے لئے صدقہ جاریہ ہے بلکہ قرآن کریم سے جڑی ہوئی ہے۔ یہ ایک بہت بڑی سعادت ہے جواللہ تعالیٰ نے اپنے مخصوص بندوں کوعطا فرمائی۔

موت : محبوب سے ملاقات کا ذریعہ

بلاشبہ موت وہ حقیقت ہے جس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا،لیکن خوش نصیب وہ لوگ ہیں جن کی زندگی کا سفر ایسا ہوتا ہے کہ ان کی موت قابلِ رشک بن جاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

الموت جسرٌ یوصل الحبیب إلی الحبیب (موت ایک پل ہے جومحبوب کو محبوب سے ملاتی ہے۔)

مولانا قاری اسماعیل ظفر رحمۃ اللہ علیہ کا دنیا سے رخصت ہوجانا ایک حقیقت ہے،لیکن وہ اپنی زندگی کے کمالات سے ہمارے دلوں میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ جب ایک آفتاب ڈوبتا ہے،تو آسمان کو اپنا نور دے کرنئی انجمن سجاتا ہے۔آج یہ انجمن ہمارے سامنے ہے، جہاں ہم ان کی مغفرت اور بلندیٔ درجات کے لئے دعا گو ہیں۔

مولانا قاری اسماعیل ظفر رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات اور ان کی شخصیت

سن 1985 میں کلکتہ سے بنگلہ دیش کے سفر کے دوران واپسی پر پہلی ملاقات مولانا قاری اسماعیل ظفر رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی۔ ہم ایئرپورٹ سے مولی علی مسجد و مدرسہ باب العلوم پہنچے۔ وہاں ایک چھوٹا سا کمرہ تھا، جو ظاہری طور پر تو مختصر لگتا تھا لیکن حقیقت میں وہ علم و ہدایت کا سرچشمہ تھا۔ اس کمرے میں داخل ہوتے ہی ایسا محسوس ہوا جیسے یہ کوئی عام جگہ نہیں، بلکہ پیاسوں کے لئے آبِ حیات اور علم کے متلاشیوں کے لئے ایک ایسا چشمہ تھا، جہاں سے فیض کے دریا بہتے تھے۔

یہ کمرہ نہیں بلکہ ایک روحانی میخانہ تھا، جہاں ساقئ معرفت حضرت مولانا قاری اسماعیل ظفر رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ان سے پہلی ہی ملاقات میں اجنبیت کا کوئی احساس نہ ہوا، بلکہ یوں لگا جیسے دل کی کسی گہرائی میں پہلے ہی ان کی محبت جاگزیں تھی۔ ان کی محبت بھری نظر آج بھی ذہن و دل میں تازہ ہے۔

مولانا قاری اسماعیل ظفر رحمۃ اللہ علیہ کی خوبیوں کا تذکرہ

مولانا قاری اسماعیل ظفر رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ ہمیشہ دین کے فروغ اور لوگوں کی اصلاح میں مصروف رہے۔ وہ علم و عمل کے جامع تھے، اور ان کی سادگی، اخلاص، تقویٰ اور علم کی روشنی ہر ملنے والے کو متاثر کرتی تھی۔ ان کی مجلسیں علم و حکمت کا خزانہ ہوتی تھیں اور ان کی گفتگو میں حکمت و دانائی کے انمول موتی بکھرے ہوتے تھے۔

مولانا قاری اسماعیل ظفر رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی شب کی خصوصیت

ان کی مقبولیت اور خدا کی بارگاہ میں ان کے مقام کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس بابرکت شب میں اپنے پاس بلایا، جس میں قرآن کریم کا نزول ہوا۔ یہی نہیں، بلکہ تمام آسمانی کتب اسی بابرکت مہینے میں نازل کی گئیں۔ اللہ تعالیٰ جب اپنے کلام کو زمین پر اتارنے کا فیصلہ فرماتے ہیں، تو یقیناً وہ اپنے نیک بندوں کو بھی اس رات میں اپنے پاس بلانے کا فیصلہ کرتے ہیں۔

مولانا قاری اسماعیل ظفر رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ایک بڑا نقصان ہے، لیکن ہمیں ان کی حیاتِ طیبہ سے سبق لے کر اپنی زندگی کو سنوارنا چاہئے۔ وہ بے شمار خوبیوں کے حامل تھے اور ہمیں چاہیے کہ ان کی محاسن کو اپنی زندگی کا مشعلِ راہ بنائیں۔ ان کی تعلیمات اور ان کے افکار کو اپنانا ہی ان سے حقیقی محبت کا ثبوت ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند کرے، اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

قاری اسماعیل ظفرؒ:
عظیم علمی و دینی شخصیت

قاری فضل الرحمان، امام عیدین کولکاتا

آپ حضرات نے حضرت قاری اسماعیل ظفر رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں تفصیل سے سنا۔ وہ ہمارے والد محترم کے خاص شاگردوں میں سے تھے۔ میں نے انہیں مدرسے میں پہلی بار اس وقت دیکھا جب ان کی عمر تقریباً 12 یا 13 سال رہی ہوگی۔ انہوں نے وہیں حفظِ قرآن مکمل کیا اور اس کے بعد قراءت کی تعلیم حاصل کی۔

سنہ 1957 میں مدرسہ عظمتیہ میں ایک قراءت کانفرنس منعقد ہوئی، جس میں الہ آباد، لکھنؤ اور ملک کے مختلف حصوں سے نامور قراء کرام تشریف لائے۔ دارالعلوم دیوبند سے حضرت مولانا قاری حفظ الرحمن صاحب پرتاب گڑھی اور دیگر اکابرین بھی اس محفل کی

رونق بنے۔ اس موقع پر مدرسہ عظمتیہ کے سات طلبہ نے حفظِ قرآن مکمل کیا، جس کی خوشی میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کیا گیا اور طلبہ کی دستار بندی کی گئی۔

اس تقریب میں قاری اسماعیل ظفر صاحب کی بھی دستار بندی ہوئی، انہیں حفظ اور قراءت کی اسناد علماء و بزرگانِ دین کے دستِ مبارک سے عطا کی گئیں۔ وہ ایک نہایت ذہین اور ہونہار طالب علم تھے، جنہوں نے علم کے میدان میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ میں نے ان کی طالب علمی کے ایام دیکھے ہیں، وہ نہ صرف علمی میدان میں ممتاز تھے بلکہ فٹبال کے بھی بہترین کھلاڑی تھے۔ ان کے ساتھی چھٹی کے دن دھر متلہ فٹبال کھیلنے جایا کرتے تھے، اور انہیں اس کھیل سے خاصا لگاؤ تھا۔

ابتدائی طور پر انہوں نے حفظِ قرآن اور قراءت میں مہارت حاصل کی، مگر بعد میں ان کا رجحان انگریزی زبان کی طرف ہوا۔ انہوں نے نہایت محنت سے انگریزی زبان سیکھی اور اس میں امتحانات دیے، یہاں تک کہ ایم اے تک تعلیم مکمل کی۔ ان کی زندگی ایک مثالی نمونہ ہے، جہاں دینی اور دنیاوی تعلیم دونوں میں کمال حاصل کرنے کا شوق تھا اور اسے پورا بھی کیا۔

یہی نہیں، بلکہ انہوں نے اپنے بچوں کو بھی دینی تعلیم سے وابستہ رکھا اور ساتھ ہی دنیاوی تعلیم کی تکمیل کا بھی بھرپور اہتمام کیا۔ میں ان کے اس کارنامے کو بہت عظیم سمجھتا ہوں کہ انہوں نے اپنے تمام سات بچوں کو علم کی دولت سے مالا مال کیا۔ ان کے ایک بیٹے حافظ و قاری اور مولانا بھی ہیں، جبکہ دیگر بچوں نے بھی علی گڑھ یونیورسٹی اور مختلف تعلیمی اداروں سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔

یہ نہایت خوش آئند بات ہے کہ انہوں نے اپنی اولاد کو تجارت یا کاروبار میں مشغول

کرنے کے بجائے علم وتعلیم کی راہ پر لگایا۔ آج ان کی محنت اور قربانیوں کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے تمام بچے ان کا نام روشن کر رہے ہیں۔ خاص طور پر جبرئیل انٹرنیشنل اسکول، جو مختلف مقامات پر قائم ہے، مسلمانوں کے لیے ایک بڑی خدمت کی شکل میں موجود ہے اور اس سے بے شمار لوگ مستفید ہو رہے ہیں۔ اس عظیم تعلیمی مشن کو آج صباح اسماعیل چلا رہے ہیں، جو اسے مزید ترقی کی راہ پر گامزن کرنا چاہتے ہیں۔

مجھے عزیزم صباح اسماعیل نے بتایا کہ وہ اس تعلیمی مشن کو مزید آگے بڑھانا چاہتے ہیں۔ یہ سن کر بے حد خوشی ہوئی کہ وہ اس ادارے کو مزید ترقی کی بلندیوں پر لے جانے کے لیے کوشاں ہیں۔ میری تمام دعائیں ان کے ساتھ ہیں، ان شاء اللہ۔ میں ہمیشہ ان بچوں کے لیے محبت اور شفقت کا جذبہ رکھوں گا اور دعا گو رہوں گا کہ اللہ تعالیٰ انہیں مزید کامیابیوں سے نوازے تاکہ وہ قوم وملت کی خدمت کر سکیں۔

اللہ رب العالمین حضرت قاری اسماعیل ظفر رحمۃ اللہ علیہ کی مغفرت فرمائے، انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔ انہوں نے دنیا میں اپنے لیے کچھ حاصل نہیں کیا، بلکہ قوم کے لیے کام کیا، امت کو علم کی دولت سے مالا مال کیا، اپنے بچوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کیا، اور ان کے ذریعے قوم کو فائدہ پہنچایا۔

مدرسہ باب العلوم کی خدمات بھی بے حد قابلِ تحسین ہیں۔ اگرچہ میں وہاں زیادہ نہیں گیا، لیکن جو کچھ دیکھا، اس سے اندازہ ہوا کہ ایک چھوٹی سی جگہ میں اس ادارے نے جو علمی مقام حاصل کیا، وہ قابلِ قدر ہے۔ الحمدللہ، دارالقرآن مدرسہ عظمتیہ سے حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا گہرا تعلق تھا۔ ہمارے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے دل میں قرآن کی محبت اور عظمت پیدا کی تھی، اور انہوں نے اپنی پوری زندگی قرآن کے عشق میں

گزاری۔

آج ہم یہاں ان کی جدائی کا غم لے کر جمع ہوئے ہیں۔ وہ میرے بڑے بھائی کی مانند تھے، ہمیشہ شفقت فرماتے اور قیمتی مشورے دیتے تھے۔ اب ہم ان مشوروں سے محروم ہو گئے ہیں، اور والد صاحب کے شاگردوں میں سے بھی چند ہی لوگ باقی رہ گئے ہیں، باقی سب اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔

بہر حال، دنیا سے ہر شخص کو جانا ہے، یہی حقیقت ہے۔ مجھے اس موقع پر فیض احمد فیض کا یہ شعر یاد آرہا ہے:

تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

حضرت قاری اسماعیل ظفر رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے ملت کو جو نقصان ہوا ہے، اس کی بھر پائی بہت مشکل ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کا نعم البدل ہم سب کو عطا فرمائے اور ان کے بچوں کو ان کا سچا جانشین بنائے۔

قاری اسماعیل ظفرؒ
ایک عظیم استاد اور روحانی رہنما

قاری عبدالرحیم

میرا قاری اسماعیل ظفر رحمۃ اللہ علیہ سے ایک ایسا علمی و روحانی تعلق تھا، جو میں سمجھتا ہوں کہ کسی اور سے ایسا تعلق نہ ہوگا۔ قاری صاحب سے میں نے حفظِ قرآن اور قراءت سیکھی، اس وقت ان کے بڑے صاحبزادے ڈاکٹر صباح اسماعیل صرف چار سال کے تھے۔

حفظِ قرآن کی ابتدا

میرے والد محترم کولکاتا میں کاروبار سنبھال رہے تھے، جبکہ میری والدہ علی گڑھ میں رہتی تھیں، اور میں بھی والدہ کے ساتھ علی گڑھ میں مقیم تھا۔ والدہ نے مجھے ایک مدرسے میں داخل کرایا تاکہ میں قرآن حفظ کر سکوں۔ تقریباً دو سے ڈھائی سال تک علی گڑھ میں

حفظ کرتا رہا،لیکن کوئی اطمینان بخش نتیجہ نہ نکلا۔

سنہ 1976 کی بات ہے جب میرے والد ہم لوگوں سے ملنے کے لیے علی گڑھ آئے۔انہوں نے مجھ سے پہلا پارہ سنانے کو کہا،مگر میں نہیں سنا سکا۔والد محترم کو اس پر بہت مایوسی ہوئی اور انہوں نے مجھے اپنے ساتھ کولکاتا لے جانے کا فیصلہ کرلیا۔میرے استاد حافظ سمیع اللہ نے بھی یہی مشورہ دیا کہ مجھے کولکاتا لے جانا بہتر ہوگا۔چنانچہ میرے والد مجھے اپنے ساتھ لے کر کولکاتا آ گئے۔

کولکاتا میں تعلیمی سفر کا آغاز

کولکاتا پہنچ کر والد محترم نے اپنے عزیز و اقارب سے مشورہ کیا کہ مجھے کہاں داخل کرایا جائے تا کہ میں حفظِ قرآن مکمل کرسکوں۔لوگوں نے بتایا کہ ایک قاری اسماعیل ظفر صاحب،مولا علی میں ایک مدرسہ چلا رہے ہیں۔اس زمانے میں جاوید کی بہن طلعت نے قاری صاحب کے زیرِ تربیت حفظ مکمل کیا تھا،جس کی پورے علاقے میں بڑی شہرت ہوئی تھی۔

قاری اسماعیل ظفر رحمۃ اللہ علیہ سے پہلی ملاقات

قاری صاحب ایک باوقار اور نفیس شخصیت کے مالک تھے۔جب وہ راستے میں چلتے تو ان کی پاکیزگی اور علم کی روشنی ان کے چہرے سے نمایاں ہوتی۔علاقے کے لوگ ان سے بے حد متاثر تھے۔طلعت کے حفظِ قرآن مکمل کرنے اور قاری صاحب کی شہرت کو دیکھ کر میرے والد محترم مجھے مولا علی لے گئے،جہاں میری پہلی ملاقات قاری اسماعیل ظفر صاحب سے ہوئی۔

قاری صاحب بچوں کو انتہائی شفقت اور محبت سے تعلیم دیتے تھے۔انہوں نے مجھ

سے نرمی اور محبت کے ساتھ بات کی، اور ایک جملہ کہا جو میرے دل میں اتر گیا اور وہ جملہ یہ تھا

" بیٹا، تُو چلتا پھرتا قرآن بن جا۔"

یہ الفاظ میرے لیے مشعلِ راہ بن گئے، اور مجھے قرآن یاد کرنے کا ایک جنون سوار ہو گیا۔ ایک وہ وقت تھا جب میرے والد محترم کہا کرتے تھے کہ " یہ نہیں پڑھ پائے گا"، اور اب یہ وقت ہے جبکہ چند ہی مہینوں میں میں نے آٹھ پارے سنائے۔ قاری صاحب ہمیشہ تاریخ لکھ دیا کرتے تھے، اور آج بھی میرے پاس وہ قرآن موجود ہے جس میں ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تاریخ درج ہے۔

مدرسہ باب العلوم اور شبینہ محافل

مدرسہ باب العلوم میں قاری صاحب ہر جمعرات کو شبینہ کرواتے تھے، جس میں ہر طالب علم کو جتنا پارہ حفظ ہوتا، وہ سنانا پڑتا تھا۔ شبینہ محفل میں سانس اٹکنے پر لقمہ دیا جاتا تھا، اور الحمدللہ میں ہمیشہ اول مقام حاصل کرتا تھا۔

تراویح کی امامت اور قاری صاحب کا اعتماد

جس سال میں نے حفظ مکمل کیا، اسی سال قاری صاحب کی طبیعت خراب ہو گئی۔ انہیں یہ فکر لاحق ہوئی کہ اس سال تراویح میں قرآن کون سنائے گا؟ میں نے پورے اعتماد سے کہا:

" استادِ محترم! میں تراویح میں قرآن سناؤں گا۔"

قاری صاحب کو مجھ پر مکمل اعتماد تھا، اور وہ راضی ہو گئے۔ میں نے 26 پارے تراویح میں سنائے، اور جب قاری صاحب کی طبیعت سنبھلی تو انہوں نے بقیہ تراویح مکمل

کیں۔اور پھر قاری صاحب کی اجازت سے میں نے ہاڑی پاڑہ کی مسجد میں تراویح میں قرآن مکمل کیا۔

حج کا مبارک موقع اور قاری صاحب کی دیانت داری

تراویح کے بعد قاری صاحب نے مجھ سے کہا:

"بیٹا، حج پر جانا ہے اور تمہیں بھی ساتھ چلنا ہے۔"

اس وقت میرے پاس اتنے پیسے نہیں تھے۔ یہ 1976 کی بات ہے، قاری صاحب کے پاس 3 یا ساڑھے تین ہزار روپے تھے۔ وہ مجھے لے کر میرے والد کے پاس آئے اور کہا:

"یہ پیسے رکھ لیجیے، اس سال حج پر جائیں گے اور عبدالرحیم کو بھی ساتھ لے جانا ہے۔"

میرے والد پہلے ہی دو مرتبہ حج کر چکے تھے۔ حج سے ٹھیک ایک مہینہ پہلے قاری صاحب کے ساتھ دھوکہ ہو گیا، اور وہ رقم نہ مل سکی جس کی انہیں امید تھی۔ وہ چاہتے تو قرض لے کر حج کر سکتے تھے، لیکن انہوں نے گوارا نہ کیا کہ حرم میں ہوں اور کسی کا پیسہ ان کے پاس ہو لہذا قاری صاحب نے حج کے لئے جمع شدہ پیسے سے متعلقین کے تقاضے پورے کئے۔

مسجد کی تعمیر اور قاری صاحب کی راست بازی

مولا علی مسجد میں اس وقت لال فرش تھا۔ ایک صاحبِ خیر، اکرم صاحب، نے کہا کہ مسجد میں مائک لگوائیں گے اور تمام اخراجات برداشت کریں گے۔ کام شروع ہو گیا، لیکن عین وقت پر وہ پیچھے ہٹ گئے۔ قاری صاحب پریشان ہوئے کیونکہ وہ زبان کے پکے اور شفاف معاملات کے عادی تھے۔ میرے والد نے انہیں یقین دلایا:

"قاری صاحب! آپ کام جاری رکھیں، جیسے جیسے پیسوں کی ضرورت ہو گی، میں عبد

الرحیم کے ذریعے بھیجتا رہوں گا۔"

استادِ محترم کی تعلیمات اور میری زندگی پر اثر

حج کے بعد میں نے اپنی تعلیم جاری رکھی۔ قاری صاحب نے مجھے پرائیویٹ امتحانات دینے کی ہدایت کی، اور ان کی رہنمائی میں میں نے مدھیا مک امتحان پاس کیا۔ وہ ہمیشہ میری رہنمائی کرتے، چاہے تعلیمی معاملہ ہو یا اور کوئی دیگر امور ہر ایک میں انہوں نے ایک سچے مربی بن کر میری رہنمائی کی

ندوۃ العلماء اور اکابرین سے ملاقات

قاری صاحب کے توسط سے میرا تعلق دارالعلوم ندوۃ العلماء کے اکابرین سے ہوا۔ مولانا عبداللہ حسنی کلکتہ آئے تو میں نے ان کی مہمان نوازی کی۔ انہوں نے کہا:

" آپ ندوہ آئیے، میں آپ کی ملاقات حضرت مولانا علی میاں سے کرواؤں گا۔"

میں ندوہ گیا، جہاں حضرت مولانا علی میاں، مولانا رابع حسنی اور مولانا واضح رشید ندوی سے ملاقات ہوئی۔ پھر 1986 میں حج کے دوران، مطاف میں حضرت علی میاں، مولانا رابع حسنی ندوی اور مسجد الحرام کے امام عبداللہ سمیم کے ساتھ بیٹھنے کا شرف ملا۔

استادِ محترم کی یادیں اور دعا

حقیقت یہ ہے کہ قاری اسماعیل ظفر رحمۃ اللہ علیہ نے میری زندگی کو کندن بنا دیا۔ انہوں نے میری رہنمائی کی اور میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا۔ اللہ انہیں غریقِ رحمت کرے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

قاری محمد اسماعیل ظفرؒ

چند یادگار لمحات

مرشد عالم ندوی

نوے کی دہائی کے آخری ایام تھے، جب میں ندوہ سے نیا نیا فارغ ہو کر گھر آیا تھا۔ حضرت قاری اسماعیل ظفر صاحب سے ادب و احترام کا تعلق پہلے سے تھا، کیونکہ میرے بڑے اور چھوٹے بھائیوں نے ان سے حفظ کیا تھا۔ میں انہیں استاد کی طرح ہی مانتا تھا، لیکن ندوے سے فراغت کے بعد جب میں عملی زندگی کے بارے میں الجھن کا شکار تھا، خالی خالی لمحات مجھے پریشان کر رہے تھے، تو حضرت نے میری راہنمائی فرمائی۔

اچانک حضرت نے اپنی نئی اسکوٹی پر بٹھایا اور مجھے روزنامہ اقراء کے دفتر لے گئے۔ ایڈیٹر عمر حیات صاحب سے ان کے دوستانہ تعلقات تھے، اور شاید انہوں نے پہلے ہی

اخبار میں معاون ایڈیٹر کے لیے حضرت سے بات کر رکھی تھی۔ مجھے وہاں نوکری دلوائی اور فارغ اوقات کے لیے بھی کچھ نہ کچھ مشاغل میرے لیے نکال دیے۔ یوں میری عملی زندگی کی تربیت کا آغاز ہوا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب مرکزی حکومت یونیفارم سول کوڈ کے نفاذ کی راہیں تلاش کر رہی تھی۔ اس وقت کانگریس کی حکومت تھی، اور بی جے پی کسی قابلِ ذکر پوزیشن میں نہیں تھی۔ حکومت کسی کی بھی ہو، لیکن اگر اسلام مخالف کوئی پہلو شامل نہ ہو تو ہنڈیا مزیدار نہیں سمجھی جاتی۔ اسلام کے عائلی، معاشرتی اور وراثتی نظام پر حملہ کیا جارہا تھا، جس کی بھرپور مخالفت مسلم پرسنل لا بورڈ نے کی۔

مسلم پرسنل لا کی حمایت میں قاری صاحب کا کردار

کلکتہ کی سرزمین پر حضرت قاری محمد اسماعیل ظفر صاحب نے مسلم پرسنل لا بورڈ کے نمائندہ بن کر انتھک محنت کی۔ انہوں نے تحریر وتقریر، جلسے، جلوس، ملاقاتوں اور دیگر ذرائع سے مسلسل جدوجہد جاری رکھی۔ مجھے بھی اس بامقصد اور بامعنی تحریک میں شمولیت کی سعادت حاصل ہوئی۔

حضرت کے جیسا محنتی، مخلص اور ملکی سیاست میں پاکیزہ کردار رکھنے والا شخص میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ وہ کثیر الاولاد تھے، مگر اپنے بچوں کی چھوٹی بڑی ضروریات کا ہمیشہ خیال رکھتے اور انہیں علمی وملی طور پر بہترین تربیت فراہم کرتے، جو یقیناً ان کے لیے آخرت میں باعثِ رحمت ومغفرت ہوگی۔

مدرسے کے طلبہ وطالبات کی علمی ودرسی لیاقت پر بھی ان کی گہری نظر ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مدرسہ باب العلوم سے فارغ ہونے والے خوش نصیب طلبہ آج خوشحال اور

پاکیزہ زندگی گزار رہے ہیں۔

حج کے سفر کی یادیں

سنہ ۲۰۰۲ میں جب میں حج کے لیے روانہ ہوا، تو دم دم ایئرپورٹ کے باہر حاجیوں کے کیمپس لگے تھے۔ الحاج مشتاق احمد صدیقی صاحب نے میرا احرام باندھنے میں مدد کی۔ جب ایئرپورٹ جانے کا وقت آیا، تو میں نے حضرت قاری محمد اسماعیل ظفر مرحوم کو وہاں موجود پایا۔ ان کی موجودگی سے میرا دل خوش ہو گیا۔ قدم قدم پر انہوں نے میری رہنمائی کی، اور میں نے ان جیسی رہنمائی کہیں اور نہیں پائی۔

حضرت کی تربیت کے اثرات

ندوہ میں جب نورالصباح اسماعیل کا داخلہ ہوا، تو حضرت نے پہلے دن مجھے اپنے بڑے بیٹے سے ملوایا، جنہیں آج ہم ڈاکٹر صبا اسماعیل کے نام سے جانتے ہیں۔ وہ آج بھی اپنے والد کی دی گئی تربیت کو نبھا رہے ہیں۔ یہ سب حضرت کی اعلیٰ تربیت اور شخصیت کے اثرات ہیں۔

ہر انسان میں کچھ بشری کمزوریاں ہوتی ہیں، لیکن ان کی خوبیوں کا پہلو ان کی خامیوں پر غالب تھا۔ غالب کا ایک شعر ان کی شخصیت پر صادق آتا ہے:

بس کہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا، آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا۔

اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، ان کی قبر کو کشادہ اور روشن کرے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ ان کے بچوں کو ہمیشہ خوش وخرم رکھے اور دین ودنیا میں کامیاب کرے۔ آمین

قاری اسماعیل ظفرؒ

سچی ہدایت وقیادت کے حامل انسان تھے

محمد ندیم الحق

قاری اسماعیل ظفر رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ایسی پر وقار شخصیت ہے جن کی موجودگی کی اہمیت، محبت، اور رہنمائی ہمیشہ ہمارے دلوں میں زندہ رہے گی۔ خاص طور پر قاری صاحب کے تمام صاحبزادگان اوران کے عزیز واقارب کے لیے میری دلی تعزیت، صبر اور ہدایت کی دعا ہے۔

زندگی کی کامیابی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ جب کوئی شخص اس دنیا سے رخصت ہو جائے تو اس کی یادیں لوگوں کے چہروں پر مسکراہٹ بکھیر دیں۔ قاری صاحب کی شخصیت بھی ایسی ہی تھی۔ جب بھی ہم ان کے بارے میں سوچتے ہیں، ان کی نیک باتوں اور خوبصورت رہنمائی کو یاد کرتے ہیں، تو ہمارے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ آجاتی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے وہ ہمارے درمیان ہی موجود ہیں، اور

اگر موقع ملے تو جا کر ان سے کچھ پوچھ سکیں۔

یہ ہمارے لیے خوش قسمتی کی بات ہے کہ ان کے ساتوں صاحبزادے ہمارے درمیان موجود ہیں۔ ہم سب کے ان سے ایک خاص تعلقات ہیں، خاص طور پر باسط بھائی اور صباح بھائی سے، لیکن دیگر بھائیوں سے بھی ہمارا اچھا تعارف اور محبت کا رشتہ ہے۔ سہیل بھائی، سعید بھائی اور دیگر بھائیوں سے بھی جان پہچان اور دوستانہ روابط رہے ہیں۔

جیسے کہ صباح صاحب فرما رہے تھے، قاری صاحب کا اخبار مشرق سے 1980 سے ہی تعلق رہا۔ وہ ہمارے دفتر اور گھر میں اکثر آتے جاتے رہے۔ والد صاحب سے ان کے بہت گہرے تعلقات تھے اور وہ اکثر مختلف موضوعات پر مشورے کرتے تھے۔ جب والد صاحب 1994 یا 1995 میں دہلی منتقل ہو گئے، تو قاری صاحب بھی اکثر وہاں جایا کرتے تھے، کئی دن، دو ہفتے یا کبھی ایک مہینہ قیام کرتے، اور والد صاحب کے ساتھ وقت گزارتے۔ دونوں کو ایک دوسرے کی صحبت بہت عزیز تھی۔

قاری صاحب کی بصیرت اور رہنمائی نے ہمیشہ اخبار مشرق کے کام کو بہتر بنانے میں مدد دی۔ اگر کبھی کوئی خبر غلط چھپ جاتی، تو وہ فوراً والد صاحب یا مفتاحی صاحب کو فون کر کے اصلاح کی طرف متوجہ کرتے۔ ان کے مشوروں سے ہمیں بے حد فائدہ ہوتا تھا۔ اسی طرح والد صاحب کا بھی خیال تھا کہ اخبار میں قرآن کے پیغام کے لیے ایک مستقل کالم ہونا چاہیے، جیسے پہلے روزنامہ آزاد میں ہوتا تھا۔ اس حوالے سے جب قاری صاحب سے مشورہ کیا گیا تو انہوں نے نہ صرف اس کی ذمہ داری لی بلکہ اپنے بڑے بیٹے صباح صاحب کو اس کام کے لیے منتخب کیا۔

یوں "فرمانِ الٰہی" کے نام سے قرآن کے ترجمے کا یہ سلسلہ شروع ہوا اور جمعہ کے دن

یہ کالم شائع ہوتا رہا۔ الحمدللہ، 26 سال تک یہ قیمتی سلسلہ جاری رہا، اور اب بھی اسے ایک جدید انداز میں پیش کیا جارہا ہے۔ مزید برآں، جو لوگ اردو رسم الخط سے واقف نہیں، ان کے لیے ہم نے اس ترجمے کو رومن رسم الخط میں بھی فراہم کیا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے استفادہ کرسکیں۔ یہ ایک عظیم خدمت ہے، اور ان شاء اللہ یہ سلسلہ آئندہ بھی جاری رہے گا۔

آخر میں، میں آپ سب سے درخواست کرتا ہوں کہ قاری صاحب کے حق میں دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، ان کی قبر کو نور سے بھر دے، اور ان پر اپنا خاص فضل و کرم فرمائے۔ مجھے یقین ہے کہ جہاں کہیں بھی وہ ہیں، ان کی شفقت اور محبت ہمیشہ ہم سب پر سایہ فگن رہے گی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی دین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے، اور قاری صاحب کی نیکیاں ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔

آمین یارب العالمین

بہترین دوست نہ رہا

نثار احمد

حضرت قاری اسماعیل ظفر صاحب سے میرے تعلقات نہایت دیرینہ، دوستانہ اور بزرگانہ رہے۔ وہ بعض اوقات انتہائی عام اور بے تکلفانہ لہجے میں گفتگو کرتے تھے، اور کبھی نہایت سنجیدگی اور وقار کے ساتھ بات کرتے۔ ایک مرتبہ جب وہ مجھ سے بے تکلفی سے مخاطب ہوتے اور کچھ دن بعد رسمی انداز اختیار کر لیتے، تو میں ان سے کہتا: "میں تو وہی آدمی ہوں جسے آپ پہلے بے تکلفی سے مخاطب کرتے تھے، اب میرا درجہ کیوں بلند کر رہے ہیں؟" اس پر وہ مسکرا دیتے۔

ہمارے تعلقات نہایت گہرے اور پرانے تھے، اور ان سے جڑی بے شمار یادیں میرے ذہن میں محفوظ ہیں۔ ایک اہم موقع وہ تھا جب ان کی منظوم نعتیہ کتاب شائع ہوئی۔ وہ میرے دفتر تشریف لائے، ایک نسخہ مجھے دیا اور کہا

" آپ اسے پڑھ کر اپنی رائے دیجیے کہ یہ کیسی ہے؟"

میں نے وہ کتاب پڑھی، اور کچھ دن بعد جب وہ دوبارہ فون پر مخاطب ہوئے، تو میں نے کہا:

" قاری صاحب، یہ کتاب میں نے پڑھی ہے، اور میرا خیال ہے کہ عشقِ رسول ﷺ میں ڈوبے جذبات کا مکمل منظر نامہ آپ نے اس میں پیش کیا ہے۔ یہ توشۂ آخرت ہے اور یقیناً بہت سے لوگوں کو متاثر کرے گی۔"

ان کے نعتیہ اشعار میں ایک شعر مجھے خاص طور پر یاد ہے

اُحد کی جیتی ہوئی جنگ ہاری جاتی ہے
قدم خلافِ نبی اگر اُٹھائے جاتے ہیں

وہ اکثر مجھے فون کر کے اپنے تازہ اشعار سناتے، اور میں ان کے کلام سے بے حد متاثر ہوتا۔

قاری صاحب کی محبت کا یہ عالم تھا کہ جب بھی مجھ سے ملاقات ہوتی، تو ہمیشہ عطر اور کتاب کا تحفہ دیتے۔ جہاں جہاں میں تعینات رہا، وہ وہاں بھی مجھ سے ملنے آتے، دعائیں دیتے اور وظائف بتاتے۔ ایک مرتبہ انہوں نے مجھے مشورہ دیا

" اگر کبھی حالات پریشان کن ہوں تو یَا سَلَام، یَا سَلَام، یَا سَلَام کا ورد کرتے رہیے، اللہ کے فضل سے محفوظ رہیں گے۔"

میں نے اس پر عمل کیا اور ہمیشہ اس سے تقویت حاصل کی۔

ایک روز جب میں باب العلوم کے علاقے سے گزر رہا تھا، تو زاہد بھائی ان کے حجرے میں بیٹھے تھے۔ قاری صاحب نے مجھے " مائیکل ہرٹز" کی ایک کتاب تحفتاً دی اور

فرمایا :" نثار صاحب! اس کتاب کو ضرور پڑھیے۔"

یہ ان کی علم دوستی اور محبت کا ایک اور اظہار تھا۔

ان کے انتقال سے کچھ ماہ قبل وہ اکثر مجھے فون کر کے فرماتے:

" نثار بھائی! جمعہ کی نماز یہاں آ کر پڑھئے، صبح بھی یہیں رہیں گے، ملاقات کا موقع بھی مل جائے گا۔"

میں کئی بار وعدہ کر کے نہ پہنچ سکا، اور بعد میں معذرت بھی کی۔

ایک بار، میری بیٹی کی شادی کے موقع پر وہ سفر میں تھے، اس لیے شریک نہ ہو سکے۔ مگر وہ میرے گھر آئے، اور ایک لفافہ دیتے ہوئے کہا: میرے جانے کے بعد اسے پڑھیے گا۔

جب میں نے بعد میں اسے کھولا، تو وہ رخصتی کے حوالے سے ایک منظوم تحریر تھی۔ اس میں ماں باپ کی قربانیوں کا ذکر تھا، اور وہ تحریر اتنی خوبصورت اور جذباتی تھی کہ ہم نے اسے عکسی تصویر بنا کر فریم میں رکھ کر اپنی بیٹی کو جہیز کے طور پر دے دیا۔ اس کی اصل کاپی آج بھی میرے پاس محفوظ ہے، اور جب کبھی پرانی فائلوں میں نظر آتی ہے، تو میں اسے نکال کر پڑھتا ہوں۔

قاری صاحب کے انتقال کے دن، میں عمرے سے واپس لوٹا تھا۔ میرا موبائل بند تھا، اور نیٹ ورک کام نہیں کر رہا تھا، اس لیے مجھے اطلاع نہ مل سکی۔ ڈاکٹر نعیم انیس صاحب انسٹی ٹیوٹ آئے اور کہا:

" نثار بھائی! آپ وہاں نہیں گئے؟ قاری صاحب کا انتقال ہو گیا۔"

یہ خبر میرے لیے صدمے کا باعث تھی۔ میں قاری صاحب کی تدفین میں شریک نہ ہو

سکا، اور یہ ایک خلش ہمیشہ رہے گی۔ بعد میں میں نے ان کی قبر پر جا کر فاتحہ پڑھی اور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند کرے، اور ان کی بشری لغزشوں کو معاف فرمائے۔

رمضان کا یہ مقدس مہینہ مغفرت کا مہینہ ہے، اور علماء جانتے ہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بخش دیتا ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے مشن کو جاری رکھنے والوں کو استقامت عطا فرمائے۔ ان کے صاحبزادے اور خاندان کے تمام افراد کو صبر جمیل اور برکتوں سے نوازے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیکی کے کاموں کی توفیق دے، اور قاری صاحب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

قاری محمد اسماعیل ظفرؒ
ایک تحریکی شخصیت

انور پریمی

مرحوم ومغفور قاری محمد اسماعیل ظفر صاحب ایک بہترین خطیب، عمدہ عالمِ دین، عظیم شاعر اور بے شمار خوبیوں کے حامل ایک شفیق انسان تھے۔ میں اپنی ذاتی وابستگی کی بنا پر یہ کہنا چاہوں گا کہ وہ نہ صرف ایک عظیم مقرر اور عالم تھے بلکہ ایک تحریکی شخصیت بھی تھے۔ انہوں نے کئی تحریکات میں سرگرم حصہ لیا، جن میں 1985 میں کلکتہ میں شروع ہونے والی اوقاف کے تحفظ کی تحریک خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔

اوقاف کے تحفظ کی تحریک

1985 میں کلکتہ میں اوقاف کے معاملات پر ایک زبردست تحریک کا آغاز ہوا،

جس کا نام انجمن تحفظ اوقاف رکھا گیا۔ اس وقت وقف ڈیپارٹمنٹ میں ایک شخص کی آمریت قائم تھی، جو اکیلا تمام معاملات کا فیصلہ کرتا تھا، جس سے ملت کو نقصان پہنچ رہا تھا۔ اس ناانصافی کے خلاف آواز بلند کرنے کے لیے ہم نے ایک کمیٹی تشکیل دی، جس میں قاری محمد اسماعیل ظفر کو جنرل سکریٹری اور مجھے صدر منتخب کیا گیا۔ اس ٹیم میں مولانا معین الدین قاسمی، فضل حق ایڈوکیٹ اور دیگر کئی ممتاز افراد شامل تھے۔

ہماری ٹیم نے کلکتہ کے مختلف علاقوں کا سروے کیا، عوامی رائے ہموار کی اور اوقاف کے حالات بہتر بنانے کی کوشش کی۔ اس زمانے میں دی اسٹیٹس مین ایک مؤقر اخبار تھا، جس نے ہماری تحریک کی حمایت کرتے ہوئے آٹھ کالموں پر مشتمل ایک مکمل رپورٹ شائع کی، جو ہماری تحریک کے لیے ایک بڑی کامیابی تھی۔

اسی دوران ڈاکٹر طاہر محمود کلکتہ تشریف لائے اور اوقاف کے حوالے سے کئی اہم بات چیت ہوئیں۔ ہم نے اس وقت کی اپوزیشن لیڈر ممتا بینرجی سے بھی ملاقات کی، جو اس وقت زیادہ معروف نہ تھیں، لیکن انہوں نے ہماری تحریک کی بھرپور حمایت کی اور کہا کہ وہ اپنے طور پر اس معاملے کو آگے بڑھائیں گی۔ اس سے تحریک کو مزید تقویت ملی۔

بابری مسجد کی شہادت اور ریلیف کا کام (1992)

1992 میں بابری مسجد کی شہادت کے بعد جب فرقہ وارانہ فسادات بھڑک اٹھے، تو کلکتہ کے کئی علاقوں میں شدید نقصان ہوا۔ موتی جھیل کے علاقے میں ہندوؤں کے آشرم اور گھروں کو نذرِ آتش کر دیا گیا، جبکہ دھوپا تالاب میں مسلمانوں کی پوری بستی جلا دی گئی۔ ان حالات میں ہم نے فورم فار کمیونل ہارمونی کے نام سے ایک تحریک کا آغاز کیا، جس میں غیر مسلم سماجی کارکن، جادھوپور یونیورسٹی کے اساتذہ اور ساؤتھ 24 پرگنہ

کے چند سماجی ادارے بھی شامل ہوئے۔

ہماری ٹیم نے ٹنگرہ، موتی جھیل اور صبیہ تالاب کے علاقوں میں کام کیا اور اللہ کے فضل سے کافی مدد حاصل ہوئی۔ موتی جھیل میں ریلیف اور بحالی کے کام کی ذمہ داری قاری محمد اسماعیل ظفر کو دی گئی، جبکہ میں مٹیا برج کے علاقے میں سرگرم رہا، جہاں کئی ہندوؤں کے مکانات کو نذرِ آتش کیا گیا تھا۔ ان تمام واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ قاری صاحب محض ایک عالمِ دین ہی نہیں، بلکہ ایک متحرک اور فعال شخصیت بھی تھے۔

قاری محمد اسماعیل ظفر بحیثیت خطیب

خطیب کی حیثیت سے ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ تحریک اکربھون کے آڈیٹوریم میں جلسہ سیرت منعقد کیا گیا تھا، جو انکم ٹیکس ڈیپارٹمنٹ کے زیرِ اہتمام تھا۔ چونکہ میں بھی اسی ڈیپارٹمنٹ میں کام کرتا تھا، اس لیے مجھے اس پروگرام کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ قاری محمد اسماعیل ظفر کو بطورِ مقرر مدعو کیا گیا تھا۔ یہ ایک منفرد موقع تھا کیونکہ سامعین میں زیادہ تر غیر مسلم افراد، بشمول کئی انکم ٹیکس کمشنر موجود تھے۔

قاری صاحب کی تقریر انتہائی دلنشین اور سادہ انداز میں تھی۔ وہ جوشیلے اور گرج دار انداز کے بجائے نرم لہجے میں عام فہم زبان میں گفتگو کرتے تھے، جس کا گہرا اثر ہوتا تھا۔ میں نے ان کے خطاب کا کچھ حصہ انگریزی میں ترجمہ کیا، اور سامعین نے ان کی باتوں کو بہت سراہا۔

ایک اچھے دوست اور شفیق انسان

تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ، قاری محمد اسماعیل ظفر ایک بہترین دوست اور اعلیٰ اخلاق

کے حامل انسان تھے۔ ایک واقعہ جو مجھے یاد آتا ہے، وہ یہ کہ ایک مرتبہ ہم کلکتہ کے مشہور تاجر جیون بابو کے ہمراہ مولانا ابوالحسن علی ندوی سے ملاقات کے لیے گئے۔ پہلے ہم نے لکھنؤ کے ایک مدرسے میں قیام کیا اور پھر ندوۃ العلماء پہنچے۔ اس سفر میں قاری صاحب کی معیت ایک اچھے دوست کی طرح تھی، جس میں محبت، خلوص اور قربت کا احساس تھا۔

ہر انسان میں کچھ بشری کمزوریاں ہوتی ہیں، لیکن ان کی خوبیوں کا پہلوان کی خامیوں پر غالب تھا۔ غالب کا ایک شعر ان کی شخصیت پر صادق آتا ہے:

بس کہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا، آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا۔

اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، ان کی قبر کو کشادہ اور روشن کرے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین!

قاری اسماعیل ظفرؒ ایک عظیم شاعر

خواجہ احمد حسین

حضرت مولانا قاری محمد اسماعیل ظفر رحمہ اللہ سے میرے مراسم 1968 سے قائم ہیں۔ میں کاکی نارہ کا رہنے والا ہوں اور میرے ماموں پروفیسر وحید الرحمٰن، انیس رفیع، اور فیروز احمد اُس وقت کلکتہ یونیورسٹی میں ایم اے کے طالب علم تھے۔ ان دنوں قاری اسماعیل ظفر رحمۃ اللہ علیہ اکثر کاکی نارہ آتے تھے، اور میں اس وقت ساتویں جماعت کا طالب علم تھا۔ اسی لیے مجھے انہیں قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا۔

بعد میں جب میری ملازمت کلکتہ میں ہوئی تو آمد و رفت کا سلسلہ زیادہ ہونے لگا اور مولا علی مسجد میں اکثر ملاقات ہوتی تھی۔ رفتہ رفتہ ہمارے تعلقات مزید گہرے ہو گئے۔

دو علمائے کرام کو کانگریس پارٹی نے بڑے ادب و احترام کے ساتھ شامل کرنے کے لیے جو ذمہ داری سونپی تھی، وہ مجھے دی گئی تھی۔ ان میں ایک صدیق اللہ چوہدری صاحب

اور دوسرے قاری اسماعیل ظفر صاحب تھے۔ بعد میں سلیمان بھائی نے بھی کانگریس پارٹی جوائن کی۔

یہاں میں ایک اور اہم بات کا ذکر کرنا چاہوں گا کہ جب طارق انور صاحب، جو اُس وقت آل انڈیا اقلیتی سیل کے چیئرمین تھے، تو حضرت مولانا قاری اسماعیل ظفر صاحب کو مغربی بنگال کا ورکنگ پریسیڈنٹ مقرر کیا گیا۔ میں خود اس میٹنگ میں موجود تھا اور قاری صاحب کی تقریر سے بہت کچھ سیکھا۔

ایک واقعہ مجھے یاد آرہا ہے : جب قاری صاحب حج سے واپس آئے تو میں ان سے ملاقات کے لیے گیا۔ انہوں نے مجھے اپنی لکھی ہوئی ایک نظم سنائی، جو ان کے حج کے تاثرات پر مبنی تھی۔ میں نے جب وہ نظم سنی تو بے حد متاثر ہوا اور کئی جگہ حاجیوں اور معتمرین کے درمیان اسے پیش کیا۔

یہاں وہ نظم آپ سب کے لیے پیش کر رہا ہوں:

حج کے بعد واپسی کے احساسات:

میری صبحوں کی تلاوت ہو
میری رات دن کی عبادت ہو
میں چلا ہوں لوٹ کے گھر کو
اب میرے ساتھ تم بھی چلو

اے غبارِ خاکِ حرم سنو
اے طیورِ شہرِ کرم سنو

میری حسرتوں کا سلام لو
میری چشمِ نم کا پیام لو
مجھے جو نبی کی نشانیوں میں
دیے گئے سب سرور و کیف
میں تم سے کرتا ہوں اب التجا
کہ دل و جاں میں انہیں بسا لوں

یہ میرے نبی کا دیار ہے
یہاں نغمہ سنجو بہار ہے
یہاں ہر حرف قبول ہے
جو بھی مانگنا ہے، وہ مانگ لو

حضرت مولانا قاری اسماعیل ظفر رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے 16 رمضان المبارک کو اپنے مہمان کے طور پر بلا لیا۔ یہ ویسے بھی مغفرت کا مہینہ تھا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنائے۔ آمین

قابل رشک زندگی قابل رشک موت

مختار علی

قاری اسماعیل ظفر صاحب ان ہی خوش نصیب شخصیات میں سے تھے جن کے جانے کا صدمہ صرف ان کے اہلِ خانہ ہی نہیں، بلکہ پورے شہر نے محسوس کیا۔ ان کی زندگی ایک روشن چراغ کی مانند تھی، جو اپنے اخلاق، خلوص اور جدوجہد سے دوسروں کے لیے روشنی بکھیرتا رہا۔

ابتدائی تعلق اور قربت

قاری صاحب سے ہمارا تعلق بہت پرانا تھا۔ وہ ہمارے پڑوسی تھے، اور ہمارے سابقہ مکان کے قریب ان کا سسرال مفید الاسلام میں تھا، جبکہ ان کی رہائش دربار شریف کے نزدیک تھی۔ ہمارے تعارف کا سلسلہ وہاں سے ہی شروع ہوا، اور وقت کے ساتھ یہ تعلق مضبوط سے مضبوط تر ہوتا گیا۔ صباح بھائی سے بھی پہلے، ہم نے قاری صاحب کو بہت قریب سے دیکھا، اور ان کی شفیق طبیعت اور بے لوث محبت کا عملی

مظاہرہ اپنی آنکھوں سے کیا۔

قومی خدمات اور بابری مسجد کا سانحہ

1992 میں بابری مسجد کی شہادت کے بعد پورے ملک میں غم واندوہ کی کیفیت تھی۔ اس وقت مغربی بنگال میں لوگوں کو حوصلہ دینے اور انہیں جوڑنے کی شدید ضرورت تھی۔ اس مشکل وقت میں، قاری اسماعیل ظفر صاحب اور سلمان خورشید صاحب نے مسلم انسٹیٹیوٹ کے بینر تلے مغربی بنگال کوآرڈینیشن کمیٹی تشکیل دی۔ اس کمیٹی نے شہر کے مختلف علاقوں، تعلیمی اداروں اور سماجی تنظیموں کو جوڑ کر ایک مضبوط پلیٹ فارم مہیا کیا، تاکہ لوگوں کے اندر پھیلی ہوئی مایوسی کو ختم کیا جاسکے۔

نئی نسل کے لیے فکر اور قیادت

قاری صاحب کی سب سے بڑی خواہش تھی کہ قیادت میں نئی نسل کو آگے آنا چاہیے۔ وہ ہمیشہ نوجوانوں کو حوصلہ دیتے، انہیں رہنمائی فراہم کرتے اور ہر ممکن مدد کے لیے تیار رہتے۔ کئی مواقع پر انہوں نے ہمیں بھی اس راہ میں آگے بڑھنے کی تلقین کی۔ وہ نہ صرف مشورہ دیتے بلکہ خود عملی مثال بن کر دکھاتے، تاکہ لوگ سیکھیں اور اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں۔

مسلم انسٹی ٹیوٹ اور دیگر خدمات

ہم نے قاری صاحب کو مسلم انسٹی ٹیوٹ میں بہت قریب سے دیکھا۔ وہ نہ صرف اس کے نائب صدر رہے بلکہ محمڈن اسپورٹنگ کلب کے نائب صدر کے طور پر بھی خدمات انجام دیں۔ ان کی قیادت میں کئی تعلیمی اور ثقافتی سرگرمیاں منظم کی گئیں، جنہوں نے نوجوانوں میں مثبت سوچ اور تعمیری رجحان کو فروغ دیا۔

ایک موقع پر جب مشہور شاعر بشیر بدر صاحب مشاعرے کے لیے تشریف لائے تو یہ ایک یادگار تقریب تھی۔ اس وقت انتظامیہ کو کھانے کے دوران پلیٹوں کی قلت کا سامنا کرنا پڑا۔ عام طور پر ایسی صورتحال میں ذمہ دار افراد کسی اور سے مدد لینے کا سوچتے ہیں، لیکن ہم نے قاری اسماعیل ظفر صاحب کو مسلم انسٹی ٹیوٹ کے کچن میں خود پلیٹ دھوتے ہوئے دیکھا۔ یہ منظر آج بھی نگاہوں کے سامنے ہے، اور ان کی عاجزی، بے لوثی اور خالص خدمتِ خلق کے جذبے کی بہترین مثال ہے

سیاسی وسماجی خدمات

قاری صاحب کا کردار ہمیشہ غیر معمولی رہا۔ جب سیاسی حالات نے کروٹ لی اور سمن مترا نے ہم سے کہا کہ قاری صاحب کو بھی اس مہم میں شامل کریں، تو ہم نے قاری صاحب کو آمادہ کیا۔ قوم کی خدمت کے جذبے سے سرشار، انہوں نے کچھ عرصے تک کانگریس قیادت میں بھی متحرک کردار ادا کیا اور کئی تعمیری کاموں میں پیش پیش رہے۔

ایک مخلص اور نایاب شخصیت

قاری اسماعیل ظفر صاحب ایک ایسی ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے جو بہت کم دیکھنے کو ملتی ہیں۔ ان کی خوبیوں کا مجموعہ منفرد تھا اخلاص، قربانی، قیادت، عاجزی اور بے لوث محبت۔ وہ ان چند افراد میں سے تھے جن کی کمی ہمیشہ محسوس کی جائے گی۔

ہم سب دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ قاری صاحب کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند کرے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ اللہ ان کے اہل خانہ کو صبرِ جمیل دے، اور ہمیں بھی توفیق دے کہ ہم ان کے مشن کو آگے بڑھا سکیں اور قوم وملت کی خدمت میں اپنا کردار ادا کر سکیں۔ آمین

لہجہ بولتا تھا کہ
وہ خوش اخلاق انسان ہیں

سید مہر عباس رضوی

یوں تو میری ملاقات اور ملنا جلنا قاری اسماعیل ظفر رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ نہیں تھی سب سے پہلی ملاقات ان سے کچھ اس طرح ہوئی کہ جبریل انٹرنیشنل اسکول کا سالانہ پروگرام تھا وہ میرے دائیں جانب بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے جس انداز میں مجھ سے مخاطب ہوئے اور جس لہجہ میں انہوں نے مجھ سے کہا ۔۔کیسے ہو بیٹا۔۔ یہ شفقت بھرا لہجہ تھا اور اسی لہجہ نے مجھے مجبور کیا کہ میں ان کے ذکر خیر میں شریک ہوں میرا ذاتی تجربہ تو ان سے زیادہ نہیں ہے لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ وہ خوش اخلاق انسان تھے اور ان کی اولاد کو دیکھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب ثمر ایسا ہے تو درخت کیسا ہوگا۔

باپ تو بہت عظیم ذات ہے اس دنیا میں نہ کوئی ماں کی جگہ لے سکتا ہے نہ ہی باپ کی

اولاد سب سے زیادہ خود کو طاقت ور محسوس کرتا ہے جب اس کے سر پر باپ کا سایہ ہو کہا جاتا ہے کہ کسی شخص نے اپنے بیٹے سے سوال کیا، دوران سوال بیٹے کے کاندھے پر اس شخص کے ہاتھ تھے، کہ بیٹا سب سے زیادہ طاقت ور اس دنیا میں کون انسان ہے اس لڑکے نے جواب دیا کہ ابو میں، وہ شخص بار بار پوچھتا رہا اور ہر بار لڑکے کا یہی جواب ہوتا کہ میں طاقتور ہوں اس وقت تھوڑی دیر بعد جب وہ لڑکا کہیں جانے لگا اور دروازہ تک پہونچا ہی تھا کہ باپ نے وہی سوال کیا کہ بیٹا آخری بار پوچھ رہا ہوں میری سوال کا جواب دیتے جاو لڑکے نے کہا کہ ابو آپ طاقت ور ہیں باپ نے کہا یہ بات تو تم پہلے کہہ سکتے تھے لڑکے نے کہا ابو جس وقت آپ سوال کر رہے تھے اس وقت آپ کا ہاتھ میرے کاندھوں پر تھا لہذا میں خود کو سب سے زیادہ طاقتور محسوس کر رہا تھا اور اب جب کہ میرے کاندھے پر آپ کے ہاتھ نہیں ہیں تو آپ کی طاقت کو میں تسلیم کرتا ہوں لہذا باپ بہت عظیم نعمت ہے آپ سب بھی قدر کریں اور جن کے باپ گذر چکے ہیں ان کے مغفرت کی دعا کریں۔

قاری اسماعیل ظفرؒ
ایک عظیم شخصیت

ڈاکٹر محمد اشرف ازہری

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو اپنے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل کیا، جو انسانیت کے لیے ہدایت، نور، اور حق و باطل کے درمیان فرق کا ذریعہ ہے۔ یہ کتابِ مقدس اپنی حقانیت، بلاغت اور جامعیت میں بے مثال ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ کاملہ سے اس کی حفاظت کا وعدہ کیا: جیسا کہ ارشاد باری ہے:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو قیامت تک محفوظ رکھنے کے لیے ہر دور میں ایسے عظیم قراء اور علماء کو پیدا فرمایا جو اس کے محافظ اور خادم بنے۔ یہ قراء نہ صرف قرآن کی تلاوت کے اصولوں کو زندہ رکھتے ہیں بلکہ اس کی تعلیمات کو نسل در نسل منتقل کرنے کا ذریعہ بھی بنتے

ہیں۔ ان کی تجوید و قرأت کے ذریعے قرآن کی صوتی اور معنوی خوبصورتی محفوظ رہتی ہے۔

یہی وہ خدمتِ جلیلہ ہے جس میں قاری اسماعیل ظفر صاحب — رحمۃ اللہ علیہ — جیسے دیگر عظیم قراء کا نمایاں کردار رہا، جنہوں نے قرآن کے علم کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا اور اسے آنے والی نسلوں تک منتقل کرنے میں اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کیں۔ قاری صاحب کا شمار برصغیر کے مشہور قاری، عالم دین، اور دینی خدمات انجام دینے والی شخصیات میں شمار ہوتا ہے۔

ابتدائی زندگی اور تعلیم و تعلم:

قاری صاحب نے قرآن مجید کی تعلیم اور تجوید میں مہارت حاصل کرنے کے بعد اسلامی علوم کی گہرائیوں میں قدم رکھا۔ وہ مشہور علمائے کرام کے شاگرد رہے اور شرعی علوم میں مہارت حاصل کی۔ موصوف کی ابتدائی تعلیم و تربیت اسلامی ماحول میں ہو، جس نے ان کی شخصیت کو علمی اور دینی میدان میں نمایاں مقام عطا کیا۔

قاری صاحب کی زندگی کا آغاز ایک مذہبی خاندان میں ہوا، جہاں اسلامی اقدار اور قرآن سے محبت کا گہرا اثر موجود تھا، جہاں قرآن اور دینی علوم کو بنیادی حیثیت دی جاتی تھی۔ انہوں نے قرآن مجید کو نہایت انہماک کے ساتھ حفظ کیا اور کم عمری میں ہی حافظ قرآن بن گئے۔

حفظ قرآن کے بعد قاری اسماعیل نے تجوید اور قرأت کے اصولوں کو سیکھنے کے لیے مقامی اساتذہ سے تربیت حاصل کی۔ کلکتہ اس وقت تجوید کے ماہرین کے لیے جانا جاتا تھا، اور قاری صاحب نے ان مواقع سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ ان کے استادوں میں سے

کئی مشہور قاری تھے، جنہوں نے قاری اسماعیل کو قرآت کی مختلف جہات سے روشناس کرایا۔

ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد قاری اسماعیل نے اسلامی علوم کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے مدارس کا رخ کیا۔ ان مدارس میں انہوں نے فقہ، حدیث، تفسیر، اور عربی ادب کے مختلف شعبوں میں مہارت حاصل کی۔

قاری صاحب کو قرآت اور تجوید کے فن سے خاص شغف تھا۔ انہوں نے قرآت کے مختلف اسالیب اور قراء کے طریقوں کو نہایت عمیق مطالعہ کے ساتھ سیکھا۔ ان کے اساتذہ نے ان کی آواز کی مٹھاس اور انداز قرآت کی صاف گوئی کو سراہا اور انہیں اس میدان میں مزید ترقی کرنے کے لیے رہنمائی فراہم کی۔

ان کی ابتدائی زندگی کی تربیت نے نہ صرف ان کے دینی علم کو مضبوط کیا بلکہ انہیں ایک جامع شخصیت بننے میں مدد دی۔ قرآن اور سنت کے ساتھ ان کی محبت نے انہیں ایک ایسے استاد اور قاری کے طور پر نمایاں کیا جو بعد میں اپنی زندگی بھر لوگوں کو دینی علوم کی روشنی میں رہنمائی فراہم کرتے رہے۔

موصوف کی ابتدائی زندگی اور تعلیم و تربیت کا یہ پہلو ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ دینی بنیاد اور بچپن میں دی گئی تربیت کس قدر انسان کی شخصیت پر گہرا اثر ڈال سکتی ہے۔ ان کی شخصیت آج بھی ان کے علاقے اور دینی حلقوں میں مشعلِ راہ کے طور پر یاد کی جاتی ہے۔

قاری اسماعیل علیہ الرحمہ کی علمی خدمات برصغیر میں دینی تعلیم و تربیت کے میدان میں ایک نمایاں باب ہیں۔ انہوں نے اپنی زندگی کو قرآن کی تعلیم، تجوید و قرآت کے فروغ،

اور اسلامی علوم کی اشاعت کے لیے وقف کیا۔ ان کی خدمات کئی پہلوؤں پر محیط تھیں، جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

قرآن کی تعلیم وتدریس:

موصوف نے اپنی زندگی کا زیادہ تر وقت قرآن مجید کی تعلیم دینے میں صرف کیا۔ انہوں نے کلکتہ کے مختلف مدارس میں تدریس کی، جہاں سینکڑوں طلبہ نے ان سے تجوید اور قرأت سیکھی۔ انہوں نے قرآن کی تعلیم کے لیے نہایت محنت اور خلوص کے ساتھ کام کیا، طلبہ کو نہ صرف حفظ کی تربیت دی بلکہ انہیں تجوید کے اصولوں سے بھی روشناس کرایا۔ ان کے کئی شاگرد بعد میں مشہور قراء اور دینی معلم بنے، جنہوں نے ان کے طریقۂ تدریس کو آگے بڑھایا۔

تجوید وقرأت کے فن کا فروغ:

قاری صاحب قرأت کے مختلف اسالیب میں مہارت رکھتے تھے۔ انہوں نے کلکتہ میں تجوید وقرأت کے فروغ کے لیے خصوصی کوششیں کیں۔ ان کے حلقۂ درس میں طلبہ کو مختلف قراءات کے اصول اور ان کی عملی مشق کروائی جاتی تھی۔ ان کے شاگردوں نے ان کی سرپرستی میں قرأت کے فن کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ اپنایا اور اسے بین الاقوامی سطح پر متعارف کرایا۔

مدارس کی سرپرستی:

قاری اسماعیل نے کئی مدارس کی بنیاد رکھی اور ان کی سرپرستی بھی کی۔ انہوں نے کلکتہ میں دینی مدارس کے نظام کو منظم کرنے اور ان کے نصاب میں تجوید وقرأت کو شامل کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ وہ مدارس میں معیاری تعلیم کے قائل تھے اور اس بات

کو یقینی بنایا کہ طلبہ قرآن کے ساتھ دیگر دینی علوم میں بھی مہارت حاصل کریں۔

درس وخطابت:

قاری صاحب نہایت دلنشین انداز میں درس دینے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ انہوں نے کلکتہ کی مختلف مساجد میں درس قرآن و حدیث کا سلسلہ جاری رکھا، جہاں عوام اور خواص نے ان کے دروس سے فائدہ اٹھایا۔ ان کے دروس میں قرآن کے معانی، تجوید کے اصول، اور اخلاقیات کے مضامین کو نہایت دلنشین انداز میں بیان کیا جاتا تھا۔

اصلاحِ معاشرہ کی کوششیں:

قاری اسماعیل نے اپنی علمی خدمات کے ساتھ ساتھ معاشرتی اصلاح میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ وہ عوام کو قرآن کے عملی پہلوؤں پر عمل کرنے کی تلقین کرتے اور اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنے کی اہمیت کو اجاگر کرتے تھے۔ انہوں نے نوجوان نسل کی دینی تربیت پر خصوصی توجہ دی تاکہ وہ دین کے روشن اصولوں کو اپناتے ہوئے ایک مثالی زندگی گزار سکیں۔

تحریری خدمات:

اگرچہ قاری اسماعیل زیادہ تر تدریس اور قرأت کے کاموں میں مشغول رہے، لیکن انہوں نے چند رسائل اور مقالے بھی تحریر کیے۔ ان کی تحریریں زیادہ تر قرآن کی تجوید، قرأت کے اصول، اور دینی تعلیمات کے موضوعات پر تھیں۔ ان کا اسلوب سادہ اور عام فہم تھا، تاکہ ہر طبقہ ان کے پیغام کو سمجھ سکے۔ موصوف نہایت خوش اخلاق اور متواضع شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی زندگی کا مقصد دین کی خدمت اور لوگوں کو قرآن وسنت کے قریب لانا تھا۔

وفات:

قاری اسماعیل ظفر صاحب کی وفات کے بعد ان کا خلا پورا کرنا مشکل ثابت ہوگا۔ ان کی دینی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا، اور ان کا نام کلکتہ کی دینی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔

قاری اسماعیل ظفر علیہ الرحمہ کی علمی خدمات نے انہیں برصغیر کے دینی حلقوں میں ایک نمایاں مقام عطا کیا۔ ان کی انتھک محنت اور خلوص کے ساتھ کی گئی کوششوں نے تجوید و قرأت کے فن کو نئی جہت دی اور سینکڑوں طلبہ و شاگردوں کو اسلامی علوم سے روشناس کرایا۔ ان کی یہ خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی اور آنے والی نسلوں کے لیے مشعل راہ بنیں گی۔

قاری محمد اسماعیل ظفر
علم، عمل اور اخلاص کا پیکر

محمد لقمان صدیقی ندوی

آزاد ہندوستان کی خاک سے جنم لینے والی جن نابغۂ روزگار شخصیات نے اپنی زندگیوں کو رضائے الٰہی کے لیے وقف کر دیا، ان میں قاری محمد اسماعیل ظفرؒ کا نام نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ وہ ایک ایسی شخصیت تھے جنہوں نے نہ صرف علم کے میدان میں اپنے نقوش چھوڑے بلکہ تربیت، تبلیغ، اور خدمتِ خلق کے میدانوں میں بھی گہرے اثرات مرتب کیے۔

قاری صاحب کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اخلاص، تقویٰ اور جہدِ مسلسل کی تفسیر تھا۔ انہوں نے دینی علوم کو اپنا مقصدِ حیات بنایا تاکہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت

حاصل ہو، اور عصری تعلیم کو بھی اہمیت دی تا کہ اپنی اولاد اور متعلقین کو دین و دنیا کا جامع فہم عطا کر سکیں۔ ان کے نزدیک علم کا اصل مقصد محض معلومات کا حصول نہیں، بلکہ اس کے ذریعے بندگیِ رب اور خدمتِ خلق کے راستے کو ہموار کرنا تھا۔

یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ قاری محمد اسماعیل ظفرؒ ایک انجمن تھے۔ ان کی شخصیت میں وہ تمام کمالات جمع تھے جو عموماً مختلف افراد میں علیحدہ علیحدہ پائے جاتے ہیں۔ وہ حافظِ قرآن بھی تھے، ماہرِ قرأت بھی، دینی علوم کے عالم بھی، مدرس و معلم بھی، مبلغ و مقرر بھی، اور ساتھ ہی عصری تعلیم سے بہرہ ور ایک گریجویٹ بھی۔ ان کی گفتگو میں علم کی گہرائی، دعوت کی چاشنی اور اخلاق کی مٹھاس نمایاں ہوتی تھی۔ وہ نسلوں کے مربی، دلوں کے تسخیر کنندہ، اور کردار کے غازی تھے۔

ان کی زندگی کا ایک منظر مجھے آج بھی یاد ہے، جب میں بچپن میں ندوۃ العلماء لکھنؤ میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ یہ غالباً 1981 یا 1982 کی بات ہے۔ قاری صاحب اپنے فرزند، ڈاکٹر صباح اسماعیل ندوی علیگ، سے ملاقات کے لیے ندوہ تشریف لایا کرتے تھے۔ میں چونکہ ڈاکٹر صاحب کا ہم درس و ہم مکتب رہا ہوں، اس لیے اکثر ان ملاقاتوں کا عینی شاہد رہا ہوں۔ جو شفقت اور محبت قاری صاحب اپنے فرزند کے لیے رکھتے تھے، وہی جذبہ ہم بچوں کے لیے بھی محسوس ہوتا تھا۔ یہ ان کی وسعتِ قلبی اور حلم و مروت کی زندہ مثال تھی۔

قاری محمد اسماعیل ظفرؒ کا کردار، ان کی گفتار، ان کی عبادت، ان کی تدریس، سب کچھ اس بات کی شہادت دیتے تھے کہ یہ مردِ خدا واقعی اللہ کی رضا کے لیے جیتا رہا اور اسی جذبہ کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوا۔ قاری صاحب جیسی شخصیات صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں،

اوران کا ذکر محض ماضی کی بات نہیں بلکہ حال کے لیے مشعلِ راہ اور مستقبل کے لیے نشانِ منزل ہوتا ہے،

مدرسہ باب العلوم کے ذریعہ علم کی جو روشنی بکھیری اس نے نہ جانے کتنی تاریک زندگیوں کو منور کیا، اور یہ دور علاقوں کو آج بھی روشن کر رہی ہے،

انہوں اپنے بچوں کے لئے جو خواب دیکھے اللہ نے انہیں پورا کیا، اور آج وہ سب اپنے والد مرحوم کے نقش قدم پر فخر سے چل رہے ہیں۔ خدا رحمت کند ایں عاشقان را۔

کیا لوگ تھے جو راہ وفا سے گزر گئے
جی چاہتا ہے نقش قدم چومتے چلیں

شمعِ روشن بجھ گئی، بزمِ سخن ماتم میں ہے

قاری محمد اسماعیل ظفرؒ کی یاد میں خراجِ عقیدت

رئیس احمد ندوی

رمضان المبارک کی نورانی ساعتوں میں جب ہر دل عبادت و بندگی کی کیفیت میں ڈوبا ہوا تھا، 16 رمضان 1445ھ (مطابق 26 مارچ 2024ء) کی صبح ایک ایسی المناک خبر ملی جس نے دلوں کو دہلا دیا، آنکھوں کو اشکبار اور زبانوں کو گُنگ کر دیا۔ خبر تھی قاری محمد اسماعیل ظفرؒ کے انتقال کی، جن کا وجود علم و حلم، حلم و تواضع، اخلاص و خدمت، ادب و تہذیب اور دین و دانش کا حسین امتزاج تھا۔

یہ سانحہ صرف ایک فرد کا فراق نہیں تھا بلکہ ایک عہد کا خاتمہ، ایک چراغِ علم و عرفان کا بجھ جانا، ایک انجمن کا ویران ہو جانا تھا۔ وہ جن کی گفتگو علم کی خوشبو، محبت کی لطافت اور

دین کی روشنی سے معمور ہوتی تھی۔ ان کے جانے سے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے شہرِ علم کی فصیل میں ایک بڑا رخنہ پڑ گیا ہو۔

یہ وہی موقع تھا جب دل سے وہی کلمات نکلے جن کے ذریعے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیارے بیٹے ابراہیمؓ کے وصال پر غم کا اظہار فرمایا تھا:

آنکھ اشکبار ہے، دل غمگین ہے، مگر ہم وہی کہیں گے جس میں رب کی رضا ہو، اور اے ابو اسماعیل! ہم تمہاری جدائی پر افسردہ ہیں۔"

جامع شخصیت، ہمہ جہت خدمات

قاری محمد اسماعیل ظفرؒ 18 دسمبر 1949ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت کے بعد قرآنِ کریم کو حفظ کیا اور دینی علوم کی تکمیل کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم میں بھی مہارت حاصل کی۔ آپ نے کلکتہ یونیورسٹی سے اردو ادب میں ایم اے کی سند حاصل کی اور علم و عرفان کا ایک ایسا پیکر بنے جس کی مثال کم ہی دیکھنے کو ملتی ہے۔

آپ نے صرف علم کے میدان میں ہی نہیں بلکہ تعلیم، اصلاحِ معاشرہ، ملی رہنمائی، سیاسی بصیرت، اور فلاحی خدمات میں بھی غیر معمولی کردار ادا کیا۔ آپ کی قیادت میں مدرسہ باب العلوم اور جبرئیل انٹرنیشنل اسکول جیسے ادارے صرف تعلیم کے مراکز نہیں بلکہ دین و دنیا کے حسین سنگم بن گئے جہاں سے ہزاروں طلبہ نے علمی روشنی حاصل کی۔

کسرِ نفسی، انکساری اور خدمت

ان کی ذات کا سب سے نمایاں پہلو ان کی کسرِ نفسی اور انکساری تھی۔ شہرت اور نمائش سے ہمیشہ کوسوں دور، وہ خود کو پردے میں رکھتے اور دوسروں کو آگے بڑھاتے۔ ان کی زندگی شاد عظیم آبادی کے اس شعر کی تفسیر تھی:

؎ "یہ بزمِ مے ہے، یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اٹھالے ہاتھ میں مینا، اسی کی ہے ؎"

لیکن مولانا کی زندگی میں مینا خود بخود ان کے پاس آتا تھا اور وہ کسی کو خبر بھی نہ ہونے دیتے۔ یہی اوجِ کمال ہے کہ وہ سب کچھ رکھتے ہوئے بھی خالی ہاتھ نظر آتے، سب کو دیتے ہوئے بھی خود پیچھے رہتے۔

قاری ظفرؒ صرف ایک عالم، مصلح اور معلم ہی نہیں، بلکہ ایک دل سے نکلے ہوئے شاعر بھی تھے۔ ان کی شاعری میں فکری بالیدگی، دردمندی، سوز و گداز، اور دینی شعور کی چمک موجود ہے۔ ان کا شعری مجموعہ "اندھیروں نے مات کھائی ہے" 2013ء میں شائع ہوا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی شاعری سطحی نہیں بلکہ فکری اور روحانی گہرائی لیے ہوئے ہے۔

علمی، ملی، قومی اور بین الاقوامی شناخت

آپ کی خدمات کا دائرہ صرف کلکتہ یا مغربی بنگال تک محدود نہیں تھا۔ آپ:

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے فعال رکن
دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مجلس شوریٰ کے رکن
عالمی رابطہ ادب اسلامی کے نمائندہ
وقف بورڈ، آل فیتھ فورم، مسلم انسٹی ٹیوٹ، محمڈن اسپورٹنگ کلب جیسے اداروں سے وابستہ رہے اور ہر جگہ دین، تہذیب، اور انسانیت کے چراغ کو روشن کیا۔

رمضان کی مقدس گھڑیوں میں جب اللہ کے بندوں کی دعائیں مقبول ہوتی ہیں، 16 رمضان المبارک 1445ھ کو وہ چراغ بجھ گیا جس نے اپنی روشنی سے بے شمار دلوں کو

منور کیا تھا۔ ان کے جانے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے:

؎ "یہ لٹی ہوئی سی بہار کیوں ہے، کہاں وہ جانِ بہار ہے
یہ چمن سے کون چلا گیا، کہ کلی کلی کو فشار ہے ؎"

قاری اسماعیل ظفرؒ چلے گئے، مگر ان کے چھوڑے ہوئے نقوش، ان کی تعلیمات، ان کے ادارے، ان کے اشعار، ان کی دعائیں، ان کی مسکراہٹیں، ان کی انکساری اور ان کا مشن زندہ ہے، اور ان شاء اللہ زندہ رہے گا۔

محبت، وفااور یادوں کی داستان
ایک یادگار قصہ برائے ہندو مسلم اتحاد

مقبول احمد جائسی

بے بس، ساری فکر ہے میری اور قلم خاموش میرا
ان کو کچھ لکھنے کے لیے الفاظ کہاں سے لاؤں گا؟
آج جب میں قلم اور کاغذ لے کر بیٹھا ہوں تو عقل گم ہے اور الفاظ بھی ساتھ نہیں دے رہے ہیں۔
وہ واقعی ایک عظیم انسان تھے۔
مولانا قاری اسماعیل ظفر صاحبؒ وہ شخصیت تھے جن کا بیان ہم جیسے کم علم لوگوں کے لیے مشکل ہے۔
ان کی یاد آتے ہی دل شاداب ہوجاتا ہے اور وقت ٹھہر سا جاتا ہے۔
تیندوا مدرسے کے دن کا ایک واقعہ یاد آتا ہے۔

ایک واقعہ یوں ہے کہ جب ہم (صباح اسماعیل، جاوید عباس، آفتاب عالم اور دیگر) تیندوامدرسے میں پڑھ رہے تھے، تب مولانا وقاری اسماعیل صاحبؒ کا مدرسہ جانا ہوا۔

ان کے ہمراہ ایک مارواڑی صاحب بھی موجود تھے جن کے قاعدے کے مطابق انہیں پیپل کے درخت پر جل چڑھا کر پوجا کرنا تھا۔

وہاں کے مہتمم، مولانا عبدالباری صاحب نے مجھ سے پوچھا،" ان کو پوجا کروانا ہے تم کیسے کراؤ گے، میں نے باغ سے ایک چھوٹا سا پیپل کا درخت لے کر مہمان خانے میں لگا دیا اور اسی پر جل چڑھا کر انہوں نے پوجا کی۔

آج وہ پیڑ بہت بڑا ہو چکا ہے یہ مولانا وقاری صاحبؒ کی محبت کی نشانی اور ہندو مسلم یکجہتی کی ایک مثال ہے۔

اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔

محبت اور دوری کے قصے بھی عجیب ہیں۔

طالبِ علمی کا دور گذرنے کے بعد ہم ایک دوسرے سے دور ہو گئے اور موبائل یا فون کی سہولت نہ ہونے کی وجہ سے کئی برسوں بعد چندے والوں کے ذریعے دوبارہ رابطہ ہوا۔ اسی دوران برادرم ڈاکٹر صباح کا آنا جانا ہوا، اور ملنے ملانے کی فضا ہموار ہوئی۔

زندگی کے اتار چڑھاؤ میں میرے تین بیٹیوں کے بعد ایک لڑکے کی پیدائش ہوئی جس پر میں بے حد خوش تھا۔

برادرم ڈاکٹر صباح اسماعیل اور اقبال مصطفیٰ صاحب ہمارے گھر رائے بریلی آئے، مگر ازمائشِ الٰہی تھی کہ میرا بیٹا زیادہ دن زندہ نہ رہ سکا، اور رب کے حضور چلا گیا۔

خبر پہنچتے ہی ہمارے بھائی صباح اسماعیل اور مولانا وقاری اسماعیل ظفرؒ نے فوراً ٹکٹ

بھیج کر مجھے کلکتہ بلا لیا اور مجھے ان کی طرف سے اتنا لاڈ اور پیار ملا کہ میں بیٹے کے غم کو کلکتہ میں ہی چھوڑ آیا۔ اس محبت کا کوئی جواب نہیں، اللہ تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت عطا فرمائے۔

وفاداری اور آخری تاثرات

مولانا قاری اسماعیل ظفرؒ کبھی بھی مجھے الگ نہ سمجھ پائے، جیسے سات بچوں کو مانتے تھے (ان میں آٹھواں میں بھی شامل تھا)۔ جب وہ حج وعمرہ کے لیے جاتے اپنے دیگر بچوں کے ساتھ مجھے بھی یاد رکھتے۔

مجھے یہ شعر یاد آتا ہے،

میرے خدا، مجھے تھوڑی سی زندگی دے دے
اداس، میرے جنازے سے جا رہا ہے کوئی

مولانا قاری اسماعیل ظفرؒ نے مجھے ایسی محبت اور شفقت دی کہ وہ شفقت ومحبت شاید اب کسی سے نہ مل پائے۔

میں نے اپنا بہت بڑا شفیق کھو دیا ہے، بہت ہمت کر کے یہ بات لکھ رہا ہوں۔

پیشین گوئی اور یادِ دادا

ایک بار مولانا مجھ سے ڈاکٹر صباح کی پیدائش کے بارے میں بتانے لگے کہ مولانا وقاری صاحب کے والد محترم ولی اللہ تھے۔ اکثر مسجد میں وقت گزارتے تھے۔ انہوں نے فرمایا

"اسماعیل، آج تیرے گھر نور اترے گا۔

صبح فجر کے وقت سے پہلے صباح کی پیدائش ہوئی، اور نام خود انہوں نے رکھا۔"

یہ دادا کی پیشین گوئی تھی۔

اللہ تعالیٰ ان سے اتنے بڑے کام لے گا کہ اگر ہماری اور آپ کی زندگی رہی تو ہم دیکھ لیں گے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ مولانا وقاری اسماعیل صاحب کی شخصیت محبت، وفا اور ہندو مسلم اتحاد کی ایک زندہ مثال ہے۔

ان کی یادیں ہمارے دلوں میں ہمیشہ محفوظ رہیں گی، اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی شفقت کو یاد رکھنے اور مزید محبت اور اتحاد کے ساتھ زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

شہر کلکتہ کی ایک معروف ومحترم شخصیت
جناب حافظ قاری محمد اسماعیل ظفر

محمد آفتاب عالم ندوی

شہر کلکتہ کی ایک معروف ومحترم شخصیت جناب حافظ و قاری محمد اسماعیل ظفر نور اللہ مرقدہ، جنہوں نے 70 کی دہائی میں بلند عزائم، نیک ارادے اور عزم مصمم کے ساتھ نہایت چھوٹے پیمانے پر ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ یہ وہ وقت تھا جب حفظِ قرآن کے ادارے شاذ و نادر ہی دکھائی دیتے تھے۔ اس وقت مدرسہ عظمتیہ، بیت العلوم (راجہ بازار) جیسے چند ہی ادارے معروف تھے۔

تاہم ایک نام جو غیر معمولی طور پر اُبھر کر سامنے آیا، اور بہت تیزی کے ساتھ عروج کی دہلیز پر قدم جمایا وہ تھا مدرسہ باب العلوم جسے استاذ محترم جناب قاری محمد اسماعیل ظفر رحمہ اللہ نے اپنی انتھک محنت اور بلند سوچ کے ساتھ قائم کیا۔ آج ہم ان ہی کی یاد میں، ان کی حیات وخدمات پر روشنی ڈال رہے ہیں۔

یہ وہ مدرسہ تھا جس کے ابتدائی ایّام میں صرف حفظ و ناظرہ کا نظم تھا۔ لیکن وقت کے

ساتھ بتدریج یہ ادارہ ایک مثالی پرائمری اسکول کی صورت بھی اختیار کر گیا ایسا مدرسہ جو اُس وقت کے مکاتب و مدارس کے لیے ایک رول ماڈل بن گیا۔ مولا علی مسجد کے اندر گویا کوزے میں سمندر سمو دیا گیا تھا۔ جگہ کی تنگی کے باعث داخلہ کے لیے لوگ انتظار کیا کرتے۔ مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ خضر پور، راجہ بازار اور شہر کے دیگر اطراف سے طلبہ یہاں قرآن حفظ و ناظرہ کے ساتھ پرائمری تعلیم حاصل کرنے آتے۔ اس مدرسہ کے فارغین اُس وقت کے اچھے اسکولوں میں بآسانی داخلہ پا لیتے تھے۔

راقم بھی اسی مدرسہ کے ابتدائی دور کے حفاظ میں سے ایک ہے۔ قاری صاحب مرحوم نے استاد ہی نہیں، بلکہ باپ اور چچا کی حیثیت سے بھی ہم پر شفقت فرمائی۔ ہمیشہ ہماری رہنمائی کی، نگرانی فرمائی، اور محبت سے تھپکی دے کر سرفرازی بخشی۔

یہ تذکرے اس لیے بھی کیے جا رہے ہیں کہ یہی وہ کام تھے جسے قاری صاحب نے اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا تھا۔ وہ بہ یک وقت ایک عظیم قاری، خطیب اور امام تھے، وہیں ایک شاندار فٹبالر کی شکل میں بہترین اسپورٹس مین بھی تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کے ان کے اندر اسپورٹس مین اسپرٹ کی جھلک خوب نظر آتی تھی، وہ ہر کام خود سے کرنے کو ترجیح دیتے۔ انہوں نے سب سے پہلے قاری عبدالقوی صاحب رحمہ اللہ اور قاری عبدالرشید صاحب رحمہ اللہ جیسی عظیم المرتبت شخصیات کی شاگردی میں حفظِ قرآن مکمل کیا۔ اس کے بعد مدرسہ عالیہ اور کلکتہ یونیورسٹی سے دنیاوی علوم حاصل کر کے اُس زمانے کی نایاب ایم اے کی ڈگری بھی حاصل کی۔

زمانے کی بہاؤ اور رنگینیوں میں بہہ جانے کے خطرات تو بہت تھے، مگر جسے اللہ ہدایت عطا کرے، اُسے کون گمراہ کر سکتا ہے؟ یقیناً یہ ان کے والدِ ماجد محترم جناب یاسین رحمہ اللہ جو ایک ملنگ صفت، درویش طبیعت کے مالک تھے ان کی نیک دعاؤں کا ثمرہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قرآنی خدمات سے جوڑ کر مولا علی درگاہ جیسے مقام پر تاحیات

وحدانیت کی تبلیغ کے لیے جمے رہنے اور دوسروں کو بھی جوڑنے کی توفیق بخشی۔

ہمیشہ بزرگانِ دین، اکابر علما، اور مشائخ سے گہرا رابطہ رہا، جس میں سرفہرست حضرت مولانا سید ابوالحسن علی الحسنی ندوی، حضرت مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب، حضرت مولانا ابوالعرفان خان ندوی، حضرت مولانا رابع حسنی ندوی، حضرت مولانا عبداللہ حسنی، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب، رحمہم اللہ رہے، ان کی خدمت میں حاضری کو اپنی سعادت سمجھتے۔ ان کا تعلق ہر طرح کی شخصیات سے تھا ملی، سماجی، سیاسی، اور علمی اور سب ہی ان سے محبت اور احترام کا رشتہ رکھتے۔

ہم نے ان سے بہت کچھ سیکھا۔ میری چھ یا سات سال کی عمر سے لے کر ان کے آخری ایام تک کی رودادِ زندگی آج بھی ذہن میں روشن ہے۔ آخر کس پہلو کا ذکر کروں اور کسے چھوڑ دوں سمجھ میں نہیں آتا۔ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ کسی بھی کام کو کرنے کا سلیقہ وہ خوب جانتے تھے، بہترین پلانر تھے۔ صبح گھر سے نکلنے سے پہلے اس دن کے کام کی ترتیب ان کی ڈائری میں تحریر ہوتی تھی۔

آپ کسی پروگرام یا جلسہ میں بہ حیثیت مقرر شریک ہوتے، تو ہم جیسے شاگردوں کو اپنی تقریر کا خلاصہ سنا کر رائے لیا کرتے۔ یا اگر کوئی شعر ذہن میں پروان چڑھ رہا ہوتا تو اسے کسی کی سماعت میں پہنچا کر ہی مطمئن ہوتے اور پوچھتے :۔ "کیسا ہے؟ یہ اُن کی تخلیقی سنجیدگی کا مظہر تھا۔

اللہ کے فضل و کرم سے، اور اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کے بل پر انہوں نے الفاظ کو اوزان میں باندھ کر ایک خوبصورت مجموعہ ــ "اندھیروں نے مات کھائی ہے ــ" کی صورت میں ہم سب کے لیے ایک روح افزا تحفہ پیش کیا جس میں دینی حمیت، قرآن کی جامعیت، اور پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو خوبصورتی سے پیش کیا گیا ہے۔

آپ کی ہمہ جہت خدمات کا دائرہ بہت وسیع رہا۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء جیسے عظیم ادارے کی مجلسِ شوریٰ کے رکن رہے، عالمی رابطہ ادب اسلامی کی نمائندگی کی، اور متعدد چھوٹے بڑے ملی اداروں میں فعال کردار ادا کیا۔

خصوصاً آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے فعال رکن کے طور پر 1985ء میں شاہ بانو معاملے کے موقع پر کلکتہ میں ایک کامیاب اجلاس کا انعقاد کیا جس کی صدارت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی تھی۔ قاری صاحب رحمہ اللہ اس پروگرام کے کنوینر یا نائب کنوینر تھے۔ یہ ایک نہایت حساس وقت تھا، اور انہوں نے جان ہتھیلی پر رکھ کر یہ اجلاس کیا۔ اختتامی جلسہ شہید مینار میں ہوا، جس کے اثرات ملک بھر میں محسوس کیے گئے، اور یہی جلسہ شاہ بانو مقدمے میں مسلمانوں کی فتح کا ذریعہ بنا الحمدللہ۔

قاری محمد اسماعیل ظفر رحمہ اللہ نے علمِ دین کا ایک ایسا دروازہ کھولا، جسے آج ــــ "باب العلوم ــــ" کہا جاتا ہے۔ اس کی آبیاری اس انداز سے کی کہ آج وہی سلسلہ جبریل انٹرنیشنل اسکول کی شکل میں ایک ثمردار درخت بن کر قوم وملت کو فیض پہنچا رہا ہے۔

آج جب اُنہیں یاد کرتے ہیں تو زبان اور قلم سے یہی نکلتا ہے:

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

آپ کی پیدائش 18 ستمبر 1942 کو ہوئی، دین ودنیا کی تعلیمی لیاقت پا کر اللہ کی توفیق سے اپنے حصے کا کام خلوص سے مکمل کیا، اور اسی مشن کو ورثہ میں اپنے بچوں اور شاگردوں کے لیے چھوڑ کر 27 مارچ 2024ء (16 رمضان المبارک) کو اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

اللہ ان کی نیک خدمات کو بے حد قبول فرمائے،

وما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عنداللہ کی تفسیر ان پر خوب صادق آئے

آمین یارب العالمین۔

قاری محمد اسماعیل ظفرؒ
حکمت و مصلحت کا پیکر

جاوید عباس

قاری محمد اسماعیل ظفر رحمۃ اللہ علیہ جیسی شخصیات کم ہی جنم لیتی ہیں وہ شخص جن کی زندگی کا ہر باب علم، اخلاص، تدبر اور حکمت سے روشن تھا۔

میں اُن خوش نصیب طالبعلموں میں سے ہوں جنہیں ابتدائی مکتب کے دور سے لے کر ان کی آخری سانسوں تک قربت، رہنمائی اور شفقت کا خاص حصہ ملا۔ ایسے بے شمار طلبہ ہوں گے جن کے لیے اُن کی زندگی ایک کھلی کتاب کی مانند تھی، جس کے ہر ورق پر رہنمائی، فیض اور اخلاص رقم تھا۔

یہی سوچ کر ایک لمحہ کو قلم رک گیا کہ آخر کس پہلو کو بیان کیا جائے اور کس کو چھوڑا

جائے؟ وہ شخصیت جس کی زندگی گونا گوں خوبیوں کا حسین امتزاج تھی، اُسے لفظوں میں سمیٹنا آسان نہیں۔

لیکن پھر دل نے کہا کہ خاموش رہنا اُس چراغ کی حق تلفی ہوگی جس نے اندھیروں میں روشنی کی شمع جلائی، اور حکمت و مصلحت کے ذریعے کئی بگڑے ماحول سنوار دیے۔

علم وحلم سے آگے کی رہنمائی

قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان اساتذہ میں سے تھے جو صرف کتابوں سے سبق نہیں پڑھاتے، بلکہ زمانے کے اتار چڑھاؤ، معاشرتی پہلوؤں اور انسانی نفسیات سے سیکھنے کا سلیقہ بھی سکھاتے۔

ان کی مصلحت پسندی کا ایک واقعہ ذہن میں تازہ ہے، جو اُن کی حکمتِ عملی، بصیرت اور بے مثال تدبر کا زندہ ثبوت ہے۔

شبینہ اور اصلاحِ ماحول کا حکیمانہ نسخہ

باب العلوم کے تحت مولا علی مسجد میں شب برات اور حضرت مولا علی شاہؒ کے عرس کے موقع پر ایک دور ایسا بھی تھا جب شبینہ قرآن خوانی کی محفل سجتی تھی۔ طلبہ و طالبات آدھا پارہ، ایک پارہ، دو پارے کی تلاوت کرتے اور سحر کے وقت قاری صاحب دعا فرماتے۔

پھر یہ سلسلہ بند ہو گیا۔

کئی سال بعد کسی نے ان سے اس بارے میں دریافت کیا تو جو جواب ملا، وہ دراصل ایک فقیہ النفس مربی کی بصیرت بھری حکایت تھی۔

انہوں نے بتایا کہ اس وقت مولا علی کے اطراف و اکناف میں جو حالات تھے، وہ نہایت افسوسناک تھے : قوالی، مرد وزن کا غیر ضروری اختلاط، نوجوانوں کی آوارگی، اور

منشیات کا کھلا استعمال یہاں تک کہ شریف لوگ ان جگہوں سے گزرنے سے کتراتے تھے۔

اس زمانے کے متولی، مرحوم جان عالم صاحب نے قاری صاحب کی توجہ اس جانب مبذول کروائی۔ وہ خود بھی پریشان تھے، مگر بے بس۔ کیونکہ جیسے ہی ان خرابیوں کو روکنے کی بات ہوتی، بعض لوگ انہیں مذہب اور مزار کے تقدس کا لبادہ اوڑھا کر جائز ٹھہراتے۔

قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس ماحول کی اصلاح کے لیے جو حکمت عملی اپنائی، وہ واقعی سبق آموز تھی۔ انہوں نے اسی مزار اور مسجد کے احاطے میں شبینہ کا اہتمام شروع کر دیا۔

چرسیوں اور آوارہ گردوں کی جگہ قرآن کی آواز گونجنے لگی۔

جو فضا پہلے گناہوں سے آلودہ تھی، وہ اب تلاوتِ کلامِ پاک سے معطر ہونے لگی۔

یہی وہ "مصلحت" تھی، جسے صرف فتووں کی زبان سے نہیں، بلکہ حکمت، تحمل، اور دُور اندیشی سے سمجھا جا سکتا ہے۔

مصلحت نہیں، بصیرت تھی

ممکن ہے آج کوئی اس حکمت عملی پر فتووں کی بارش کر دے کہ شبینہ کا جواز کیا تھا؟

مگر سوال یہ ہے : کیا ہم اس حقیقت سے آنکھ چرا سکتے ہیں کہ اسی تدبیر نے ایک اخلاقی و روحانی زوال کو روک دیا؟

قاری صاحبؒ نے "ادعُ الی سبیلِ ربک بالحکمۃ" پر عمل کر کے دکھایا۔ وہ جانتے تھے کہ جس نے حکمت سکھائی ہے، فیصلہ بھی وہی کرے گا۔ بندے کا کام ہے بصیرت،

اخلاص اور خاموش جدو جہد۔

خلاصۂ زندگی : من الظلمات الی النور

ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا یہ ایک طویل سفر تھا، اندھیروں سے روشنی کی طرف۔ یہ آسان نہ تھا، مگر وہ مصلحت کا پیکر تھے، جنہوں نے اپنے اخلاص، نرمی، اور مستقل مزاجی سے فضا کو بدلا، ماحول کو بدلا، دلوں کو بدلا۔

ایسی شخصیات زندگی میں کبھی کبھار ہی نصیب ہوتی ہیں۔

جب بھی ملیں نظر بھر کر دیکھ لینا چاہیے، کیونکہ ممکن ہے پھر یہ سعادت نہ ملے۔

اللہ قاری محمد اسماعیل ظفر رحمۃ اللہ علیہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، اور ہمیں بھی وہ حکمت، اخلاص اور دور اندیشی عطا فرمائے، جو اُن کی زندگی کا خاصّہ تھی۔

آمین۔

آہ! قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ

محمد اسمٰعیل ندوی

خموشی اور بھی جاں سوز کرتی ہے غمِ دل کو
یہ اچھا ہے کہ دل کے درد کا اظہار ہو جائے

اگر میرے بچپن کی ابتدائی یادوں میں کسی عظیم، باوقار اور بااثر شخصیت کا نام سب سے پہلے میرے کانوں میں گونجا، تو وہ ہمارے محترم قاری صاحب حضرت قاری محمد اسماعیل ظفر رحمۃ اللہ علیہ کا ہی تھا۔ محلے کی گلی میں واقع اسکول اور مسجد سے آغاز ہوا، اور پھر ابا حضور نے ہمارا نام قاری صاحب کے مولا علی مدرسے میں درج کروا دیا۔ جہاں ہمارے تین بڑے بھائی پہلے ہی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔

مدرسے میں داخلے کی خوشی، سفید استری شدہ لباس میں ملبوس ہو کر بھائیوں کے ساتھ

مدرسہ جانے کا اشتیاق ایک الگ ہی کیف وسرور کی کیفیت تھی۔

قاری صاحب سراپا شفقت تھے۔ کبھی کبھی آفس میں بلا کر خود سبق سنتے، ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ شاباش دیتے۔ ان کا انداز نہ صرف تعلیمی تھا، بلکہ تربیتی بھی۔ ڈسپلن، صفائی، وقت کی پابندیان تمام پہلوؤں کی تعلیم وہ دلنشین انداز میں دیا کرتے۔ بیج، رومال، ناخن کی روزانہ جانچ ایک معمول تھی، مگر اس معمول کے پیچھے ایک حکمت تھی بچوں میں تہذیب، سلیقہ، اور پاکیزگی کا شعور پیدا کرنا۔

قاری صاحب کی ترغیب اور ابا حضور کے مشورے سے بعد میں ہمیں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخلہ ملا۔ خوشی کی بات یہ کہ اس وقت قاری صاحب کے فرزند ارجمند ڈاکٹر نورالصباح اسماعیل بھی ندوہ میں داخل ہو چکے تھے۔ قاری صاحب کو حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ سے بے پناہ محبت اور عقیدت تھی۔ ندوہ آتے جاتے ہمیں بھی قاری صاحب سے سیکھنے، سننے اور استفادہ کرنے کا موقع بار بار میسر آتا رہا۔

فراغت کے بعد، کلکتہ واپسی پر قاری صاحب ہمیشہ ہم سب کو علمی وفکری پروگراموں کے ذریعے جوڑتے۔ ملت کے حالات، تعلیمی نظام، تبلیغی مشن ہر شعبہ ان کی نظر میں ہوتا۔ میرے تبلیغی تعلق کی وجہ سے اکثر ہماری گفتگو کارگزاری پر ہوتی، اور قاری صاحب خود بھی جانے کی خواہش اور دعاؤں کا اظہار فرماتے۔

قرآنِ کریم کی خدمت میں قاری صاحب کی بے مثال محنت اور غیر معمولی شغف کی مثال کم ہی ملتی ہے۔ حافظ طلبہ و طالبات سے خصوصی انس رکھتے تھے۔ ہر ایک کی خبر گیری کرتے، شفقت اور حوصلہ افزائی کے ساتھ۔ وہ انتہائی سادہ مزاج تھے، کم کھانے اور کم سونے کو پسند کرتے۔ مگر دل میں عشقِ الٰہی اور عشقِ مصطفیٰ کا دریا موجزن تھا۔ ان کا

شاعرانہ ذوق بھی اعلیٰ درجے کا تھا، جس میں حقیقت، جذبہ اور ایمان کی روشنی جھلکتی تھی۔
چند اشعار جوان کے ذوقِ سخن کا عکس ہیں:

غلط باتوں کی قرا میں طرفداری نہیں ہوتی
کہ جیسے برف کے سینے میں چنگاری نہیں ہوتی
کتابوں میں پڑھا بھی ہے، ہمارا تجربہ بھی ہے
بزرگوں کی نصیحت میں دل آزاری نہیں ہوتی

کبھی کمزوریاں اپنی کسی سے مت بیاں کرنا
سوائے رب، کسی میں بھی تو ستاری نہیں ہوتی

قاری صاحب علم وحلم، تواضع و انکساری، اخلاص و ایثار، اور خدمتِ خلق کا ایک خوبصورت پیکر تھے۔

آہ!

رمضان المبارک کی 16ویں تاریخ 1445ھ کی وہ المناک صبح، جب قاری صاحب کی وفات کی خبر ملی۔ دل جیسے سن ہو گیا۔ ایک جمِ غفیر نے جنازہ پڑھا، اور نمازِ ظہر کے بعد انہیں سپردِ خاک کیا گیا۔ مگر ان کی محبتیں، دعائیں، یادیں اور تربیت، دل و دماغ پر ہمیشہ نقش رہیں گی۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

قاری محمد اسماعیل ظفرؒ

حیات وخدمات

اخلاق احمد ندوی

تمام تعریفیں اس ربّ کائنات کے لیے ہیں جس نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا، اُسے علم وفہم سے نوازا، اور ہر دور میں کچھ ایسی ہستیاں پیدا فرمائیں جو اپنی سیرت، کردار اور خدمات کے ذریعہ انسانیت کے لیے مشعلِ راہ بن گئیں۔ ان ہی نفوسِ قدسیہ میں ایک درخشندہ نام قاری محمد اسماعیل ظفر رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، جن کی حیات اور خدمات آج بھی اہلِ کولکاتا کے دلوں میں روشن چراغ کی مانند جل رہی ہیں۔

قاری صاحب رحمہ اللہ صرف ایک معلم، مربی یا حافظِ قرآن نہیں تھے، بلکہ ایک ایسا فکر انگیز وجود تھے جنہوں نے خواب دیکھے، ان کی تعبیر کے لیے جدوجہد کی، اور اپنی

کوششوں سے ایک تعلیمی و دینی انقلاب کی بنیاد رکھی۔ ان کی شخصیت کی جامعیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگر اُن کے حالاتِ زندگی کو قلمبند کیا جائے تو ہر گوشے کے لیے ایک مستقل کتاب درکار ہو۔

ندوی فکر کے فروغ کا خواب

ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ساتھ ان کا تعلق نہ صرف رسمی تھا بلکہ قلبی اور فکری بھی۔ وہ چاہتے تھے کہ کولکاتا کے نوجوان علم دین حاصل کریں اور دینِ اسلام کے سچے نمائندے بن کر ابھریں۔ یہی جذبہ تھا جس نے انہیں ندوی فکر کے فروغ کا علمبردار بنا دیا۔ انہوں نے ندوہ کے تئیں نہ صرف خود مستقل سفر کیے بلکہ بے شمار طلبہ کو ندوہ کے لیے آمادہ کیا۔ کولکاتا میں جتنے ندوی آج موجود ہیں، ان میں سے اکثر کے والدین کی فکری تربیت قاری صاحب ہی کی مرہونِ منت ہے۔

ان کی یہی لگن اور اخلاص دیکھ کر ندوۃ العلماء نے انہیں مجلسِ شوریٰ کا رکن مقرر کیا۔ وہ کہا کرتے تھے:

؎ "عزمِ محکم ہو تو ہو جاتی ہیں بلائیں پسپا،
کتنے طوفاں کو پلٹ دیتا ہے ساحل تنہا!"

تعلیمی و تحفیظی خدمات

قاری صاحب رحمہ اللہ کی تعلیمی کاوشوں میں مدرسہ باب العلوم کا قیام ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب کولکاتا میں حفظِ قرآن کے ادارے خال خال تھے، مگر ان کی ہمت اور توکل نے ناممکن کو ممکن بنایا۔ ان کا جذبۂ خدمت صرف اداروں کے قیام تک محدود نہ تھا بلکہ وہ طالبات کی تعلیم و تحفیظ کے بھی شدید خواہاں تھے۔ ایک

واقعہ بہت نمایاں ہے جب ایک کم سن بچی کے حفظ کے شوق کو دیکھ کر قاری صاحب نے خود اس کی تربیت کا بیڑہ اٹھایا، روزانہ فجر کے بعد اسے بڑے میدان میں لے جا کر سبق سنا کرتے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ بچی محض سات سال کی عمر میں حافظہ بن گئی۔

علم، تواضع اور مشورہ طلبی

علم کے ساتھ ان کی وابستگی عشق کی حدوں کو چھوتی تھی۔ وہ نہایت متواضع اور مشورہ طلب مزاج کے حامل تھے۔ باوجود اعلیٰ علمی مرتبے کے، اکثر کم عمر طالب علموں سے بھی مسائل پر گفتگو کرتے، ان سے سیکھنے کی کوشش کرتے۔ میں خود جب بھی ان کے گھر جاتا، وہ نہایت شوق اور محبت سے دینی مسائل پر تبادلۂ خیال کرتے۔ ان کی خاموشی، متانت اور سادگی شاعر کے اس شعر کی عملی تفسیر تھی:

کہہ رہا ہے موجِ دریا سے سمندر کا سکوت،
جس میں جتنا ظرف ہے، اتنا ہی وہ خاموش ہے

اولاد کی تربیت اور علمی وراثت

قاری صاحب نے اپنی اولاد کی ایسی تربیت کی جو آج کے دور میں مثالی کہی جا سکتی ہے۔ ان کے ساتوں بیٹے نہ صرف علم کے میدان میں سرگرم ہیں بلکہ آپس میں محبت، ایثار اور خلوص کے ایسے نمونے ہیں جو کم ہی دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ان کے بڑے فرزند ڈاکٹر صباح اسماعیل ندوی علیگ ایک معروف تعلیمی شخصیت ہیں جنہوں نے جبرائیل انٹرنیشنل اسکول جیسے ادارے کو قیادت فراہم کی، جو بلاشبہ باب العلوم کی توسیع یافتہ تعبیر ہے۔

شاعری سے انس اور فکری اظہار

قاری صاحب کو شاعری سے خاص انس تھا۔ ان کی نظموں اور اشعار کو "اندھیروں

نے مات کھائی ہے ــــ" کے عنوان سے ایک کتابچہ کی صورت میں مرتب کیا گیا۔ ان کے اشعار میں درد، صداقت، رجائیت اور دعوت کا عنصر نمایاں ہے۔ ان کے کلام میں یہ پیغام جھلکتا ہے کہ وہ زندگی میں کچھ کر گزرنے کے متمنی تھے اور ان کی شاعری ان کے خیالات کا عکس تھی۔

رخصتِ جان

زندگی کا ہر باب اپنے اختتام کو پہنچتا ہے۔ 16 رمضان 1445 ہجری کو یہ مردِ مومن اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملا، لیکن اپنے پیچھے وہ خواب اور مشن چھوڑ گیا جس کی تعبیر کے لیے آج بھی اس کے فرزندانِ علم و اخلاص مصروفِ عمل ہیں۔

قاری محمد اسماعیل ظفر رحمہ اللہ کی حیات، تعلیم، فکر، اور تربیت کا دائرہ وسیع اور ہمہ جہت ہے۔ وہ بیک وقت مربی، معلم، منتظم، شاعر اور داعی تھے۔ آج بھی ان کی باتیں، ان کے کام، ان کے خواب اور ان کے مشن ہمارے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ ایسی شخصیات کم ہی پیدا ہوتی ہیں، مگر جب پیدا ہوتی ہیں، تو ان کے جانے کے بعد بھی ان کا نور بکھرتا رہتا ہے۔

قاری صاحبؒ کی یاد میں
ایک خراجِ عقیدت

اقبال مصطفیٰ

زمانہ وہی تھا جب بچپن کے رنگین دن ہمارے گرد گھومتے تھے۔ وہ دن جو بے فکری، کھیل کود، اور دوستوں کے ساتھ قہقہوں سے بھرپور تھے۔ اس عمر میں نہ دنیا کی سمجھ تھی، نہ زندگی کی سنجیدگی کا احساس۔ ہمارا مشغلہ صرف کھیل کود، ہنسی مذاق، اور چھوٹی چھوٹی خوشیوں میں مگن رہنا تھا۔ انہی خوشیوں میں ایک نام ہمارے دل و دماغ پر ثبت ہو گیا قاری اسماعیل ظفر رحمہ اللہ کا نام۔

قاری صاحب نہ صرف ہماری بستی کے بہترین فٹبال کھلاڑیوں میں سے ایک تھے، بلکہ وہ ایک روحانی شخصیت کے مالک بھی تھے۔ ان کی فٹبال کے میدان میں پھرتی،

چستی اور قیادت دیکھ کر ہم سب بچے ان کے مداح ہو گئے تھے۔ مگر اس سے بھی زیادہ خوشی کی بات یہ تھی کہ وہ مسجد مولا علی کے امام بھی تھے۔ جب یہ حقیقت میرے علم میں آئی تو دل میں ایک عجیب سی محبت اور احترام کا جذبہ پیدا ہوا۔ ان کی طرف کشش ایسی تھی کہ میں اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا اور ایک دن نماز کے وقت ان سے ملاقات کے ارادے سے مسجد چلا گیا۔

میں جب مسجد مولا علی پہنچا، تو وہاں ایک روح پرور منظر میرا منتظر تھا۔ اذان ہو چکی تھی، لوگ صفیں باندھ رہے تھے، اور قاری صاحب کی آواز میں قرآن کی تلاوت ہو رہی تھی۔ ان کی قراءت میں ایسی مٹھاس، خشوع و خضوع اور روحانیت تھی کہ میرے دل پر گہرا اثر ہوا۔ ایسا لگا جیسے میرے دل کی دنیا بدل گئی ہو، جیسے میں کسی اور ہی دنیا میں ہوں۔ ان کی تلاوت کی گونج پورے شہر میں مشہور تھی، اور جب میں نے خود سنا، تو ماننا پڑا کہ واقعی وہ اللہ کے خاص بندوں میں سے تھے۔

میرا تعلق ایک دیندار گھرانے سے ہے۔ میرے والد، مولوی ابو الکلام رحمہ اللہ، ایک جید عالم، فاضل اور سچے عاشقِ دین تھے۔ وہ مولانا ابو محفوظ الکریم معصومیؒ اور ڈاکٹر ظفیرؒ جیسے علمائے کرام کے رفیق رہے۔ ان کی ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ ان کے خاندان میں کوئی ان کی علمی وراثت کا نگہبان بنے۔ انہوں نے ہمیں ہمیشہ نماز، روزہ، قرآن اور دینی شعور کی تعلیم دی، لیکن میں خود دین کے میدان میں وہ مقام حاصل نہ کر سکا جو وہ چاہتے تھے، اور نہ ہی میرے بڑے بیٹے نے اس طرف خاص رغبت دکھائی۔

لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت نے مجھے ایک اور موقع عطا فرمایا۔ جب میری قاری اسماعیل ظفرؒ سے قربت بڑھی، تو میں نے ان سے درخواست کی کہ وہ میرے چھوٹے بیٹے قارب

مصطفیٰ کو حفظِ قرآن کی راہ پر لگائیں۔ قاری صاحب نے نہ صرف میری درخواست کو قبول کیا بلکہ اس میں خوشی کا اظہار کیا۔ وہ اس ذمہ داری کو ایک مقدس امانت سمجھتے تھے۔ انھوں نے قارب کو نہ صرف حافظِ قرآن بنایا بلکہ اُس کی تربیت میں بھی کمال کر دیا۔ آج قارب کی قراءت، ادب، اور دینی فہم دیکھ کر گھر کا ہر فرد اُن کا معترف ہے۔

قاری صاحب کے ساتھ میرے تعلقات صرف تعلیمی نہیں تھے، وہ میرے ہمسفر بھی تھے۔ زندگی کے کئی دینی اور تعلیمی اسفار میں ہم ساتھ ساتھ رہے۔ ان کی سنگت میں ایک روحانی سکون محسوس ہوتا تھا۔ سفر کے دوران ان کی اخلاقیات، ایثار اور محبت اپنی مثال آپ تھی۔ اکثر لوگ سفر میں صرف اپنی فکر کرتے ہیں، لیکن قاری صاحب کا حال یہ تھا کہ وہ ہر مسافر کا خیال رکھتے، بچوں سے لے کر بوڑھوں تک، سب کی راحت ان کی ترجیح ہوتی۔ ان کی ذات سے کسی کو کبھی تکلیف نہ پہنچی۔

مجھے یاد ہے ایک سفر جب ہم اپنے بچوں کے ساتھ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ جا رہے تھے۔ مقصد بچوں کا داخلہ کروانا تھا۔ قاری صاحب نے تمام والدین کو یہ کہہ کر تسلی دی کہ ــــ" آپ لوگ بے فکر رہیں، بچے میرے حوالے ہیں۔ ــــ" وہ بچوں کا اس قدر خیال رکھتے کہ ہمیں والدین ہونے کے باوجود حیرت ہوتی۔ میرے بیٹے قارب مصطفیٰ کو جب داخلہ ٹیسٹ کا وقت آیا تو وہ گھبراہٹ میں پاخانہ کر بیٹھا۔ قاری صاحب نے نہایت شفقت اور محبت سے اُسے نہلایا، صاف کپڑے پہنائے اور اُسے حوصلہ دیا۔ وہ منظر آج بھی میری آنکھوں میں محفوظ ہے۔ ایک استاد نہیں، ایک شفیق والد جیسا کردار تھا وہ۔

میری خوش نصیبی ہے کہ قاری اسماعیل ظفرؒ کے ساتھ مجھے دینی خدمات میں شریک ہونے کا موقع ملا۔ جب انہوں نے" باب العلوم انسٹی ٹیوٹ" کی بنیاد رکھی تو مجھے یہ اعزاز

حاصل ہوا کہ میں نے اپنا مکان اس کے لیے فراہم کی، الیشا آشیانہ، پدو پوکھر کے قریب۔ وہ مکان آج بھی دین کی خدمت کے لیے محفوظ ہے۔ یہ وہ کارِ خیر ہے جسے میں اپنے لیے دنیا و آخرت کا سرمایہ سمجھتا ہوں۔

قاری صاحب کی شخصیت ایک چلتا پھرتا درسِ اخلاق تھی۔ وہ علم، اخلاص، عاجزی، اور خدمت کا پیکر تھے۔ ان کے اندر جو نرمی، سادگی، اور خلوص تھا، وہ آج کل کے دور میں کم ہی دیکھنے کو ملتا ہے۔ ان کی زندگی نے ہمیں یہ سکھایا کہ دین صرف علم کا نام نہیں، کردار کا نام بھی ہے۔

آج جب وہ ہمارے درمیان نہیں ہیں، تو دل ایک عجیب سی اداسی سے بھر جاتا ہے۔ ان کی یادیں، ان کی باتیں، ان کی قرأت، ان کا رویہ سب کچھ دل میں تازہ ہے۔ ان کے بغیر زندگی میں ایک خلاء محسوس ہوتا ہے۔

بس دل سے یہی دعا نکلتی ہے:

"یا اللہ! اگر جنت قاری اسماعیل ظفرؒ جیسے بندے کے لیے نہیں، تو پھر کس کے لیے؟"

قاری اسماعیل ظفرؒ
ایک عظیم دینی، ملی اور روحانی شخصیت

تحسین احمد ندوی

قاری اسماعیل ظفر رحمہ اللہ ان شخصیات میں سے تھے جنہوں نے اپنی پوری زندگی دینِ اسلام کی خدمت، تعلیم و تربیت، اور سماجی اصلاح کے لیے وقف کر دی۔ ان کی خدمات کا دائرہ دینی مدارس سے لے کر تعلیمی اداروں، سماجی اصلاح، اور ملی قیادت تک پھیلا ہوا تھا۔

مدرسہ باب العلوم کولکاتا : ایک تعلیمی و روحانی چراغ

قاری اسماعیل ظفر رحمہ اللہ نے مدرسہ باب العلوم کولکاتا کی بنیاد ایسے وقت میں رکھی جب دینی تعلیم کی سخت ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ انہوں نے اس ادارے کو صرف

قرآن وحدیث کی تعلیم کا مرکز ہی نہیں بنایا بلکہ طلبہ کی اخلاقی وروحانی تربیت پر بھی بھرپور توجہ دی۔ ان کی خلوصِ نیت، حکمت وفراست، اور مسلسل جدوجہد کے نتیجے میں مدرسہ باب العلوم ایک نمایاں اور معتبر ادارہ بن کر ابھرا، جہاں سے فارغ ہونے والے طلبہ نے دنیا کے مختلف خطوں میں دین کی روشنی پھیلائی۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ میں فعال کردار

قاری صاحب آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے فعال رکن تھے۔ انہوں نے شریعت کے تحفظ، مسلمانوں کے مذہبی وسماجی حقوق کی پاسداری، اور فقہی رہنمائی کے میدان میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ان کی گفتار میں تاثیر، موقف میں وضاحت، اور عمل میں اخلاص کی جھلک نمایاں تھی، جس کی وجہ سے وہ بورڈ کے رفقاء اور عوام میں یکساں مقبول تھے۔

جبریل انٹرنیشنل اسکول کی تشکیل وترقی میں حصہ

تعلیم کے میدان میں قاری اسماعیل ظفر رحمہ اللہ کی خدمات صرف دینی تعلیم تک محدود نہ رہیں، بلکہ انہوں نے جدید تعلیم کے فروغ میں بھی نمایاں کردار ادا کیا۔ جبریل انٹرنیشنل اسکول کی ترقی میں ان کی قیادت اور رہنمائی نہایت اہم رہی۔ انہوں نے عصری تعلیم کو دینی اقدار کے ساتھ جوڑنے کا خواب دیکھا اور اسے عملی جامہ پہنایا۔ ان کی کوششوں سے اسکول میں ایسی تعلیم فراہم کی گئی جو دینی شعور اور جدید فہم کو یکجا کرتی ہے۔

سماجی خدمات : محروم طبقات کی آواز

قاری صاحب نے اپنے اردگرد کے سماجی مسائل کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ وہ ہمیشہ ضرورت مندوں کی مدد، تعلیمی فلاح، اور سماجی ہم آہنگی کے لیے کوشاں رہے۔ ان کی شخصیت ایک مصلح اور خیر خواہ کی حیثیت رکھتی تھی۔ انہوں نے معاشرے میں اتفاق واتحاد

کو فروغ دینے، اور مسلمانوں کے درمیان اخوت کا ماحول قائم رکھنے میں اہم کردار ادا کیا۔

قاری اسماعیل ظفر رحمہ اللہ کی زندگی خلوص، محنت، علم، قیادت اور خدمت کا حسین امتزاج تھی۔ وہ اپنے پیچھے علمی، تعلیمی اور سماجی خدمات کا ایک ایسا عظیم سرمایہ چھوڑ گئے ہیں جو آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ ان کے قائم کردہ ادارے آج بھی ان کے مشن کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ قاری صاحب کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند کرے، اور ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

قاری اسماعیل ظفرؒ
فن تربیت کے عظیم شہسوار

مہتاب عالم ندوی

قاری اسماعیل ظفر کولکاتا کے ایک معروف عالم دین اور خوش الحان قاری تھے۔ انہوں نے قرآن مجید کی تلاوت میں مہارت حاصل کی اور اپنی خوبصورت آواز کے ذریعے لوگوں کے دلوں کو مسحور کیا۔ ان کی تلاوت میں تجوید اور لحن کی خوبصورتی نمایاں تھی، جو سننے والوں کو قرآن کی روحانی تاثیر سے مستفید کرتی تھی۔ کولکاتا میں ان کی خدمات اور تعلیمات نے بہت سے لوگوں کو قرآن کی تعلیمات سے روشناس کرایا اور ان کی یاد آج بھی لوگوں کے دلوں میں زندہ ہے۔

قاری اسماعیل ظفر کولکاتا کی مولا علی مسجد کے امام تھے۔ انہوں نے اپنی خوبصورت

تلاوت اور دینی تعلیمات کے ذریعے مقامی کمیونٹی کی روحانی رہنمائی کی۔ ان کی خدمات نے مولا علی مسجد کو ایک اہم دینی مرکز بنایا، جہاں لوگ نماز اور دیگر مذہبی سرگرمیوں میں شرکت کرتے تھے۔ قاری اسماعیل ظفر کی قیادت میں، مسجد نے تعلیمی اور سماجی سرگرمیوں میں بھی نمایاں کردار ادا کیا، جس سے مقامی مسلمانوں کی زندگیوں پر مثبت اثرات مرتب ہوئے۔

مولا علی مسجد، کولکاتا میں قاری اسماعیل ظفر نے مدرسہ باب العلوم کی بنیاد رکھی، جو ان کے دینی وژن اور تعلیمی خدمات کی ایک زندہ مثال ہے۔ اس مدرسے کا قیام اسلامی تعلیمات کو عام کرنے اور نوجوان نسل کو قرآن وسنت کی روشنی میں تعلیم دینے کے لیے کیا گیا تھا۔

مدرسہ باب العلوم کی خصوصیات:

قرآنی تعلیمات پر زور:

مدرسے میں قرآن مجید کی تجوید اور حفظ کی تعلیم کو بنیادی اہمیت دی گئی، تاکہ طلبہ قرآنی علوم میں مہارت حاصل کریں۔

دینی اور دنیاوی تعلیم کا امتزاج:

قاری اسماعیل ظفر نے یہ ادارہ اس مقصد سے قائم کیا کہ یہاں طلبہ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ دنیاوی علوم سے بھی بہرہ مند ہوں، تاکہ وہ معاشرے کے مختلف شعبوں میں نمایاں کردار ادا کرسکیں۔

مقامی کمیونٹی کی خدمت:

مدرسے نے نہ صرف بچوں بلکہ بالغوں کے لیے بھی دینی کلاسز کا انعقاد کیا، جس سے

مقامی کمیونٹی کو اسلام کے بنیادی اصولوں کو سمجھنے میں مدد ملی۔

طلبہ کی اخلاقی تربیت:

مدرسے میں اخلاقیات اور روحانی ترقی پر خاص توجہ دی جاتی تھی، تاکہ طلبہ ایک بہتر انسان اور مثالی مسلمان بن سکیں۔

مقامی علماء کی تربیت:

مدرسہ باب العلوم نے کئی علماء، حفاظ، اور قاری تیار کیے، جنہوں نے آگے چل کر مختلف مساجد اور مدارس میں خدمات انجام دیں۔

مدرسے کا اثر:

مدرسہ باب العلوم مولا علی مسجد کا ایک ایسا حصہ بن گیا، جس نے علاقے میں اسلامی شعور کو بڑھایا اور لوگوں کو دین سے قریب کیا۔ قاری اسماعیل ظفر کی یہ خدمت آج بھی لوگوں کے دلوں میں زندہ ہے، اور ان کا ادارہ اسلامی تعلیمات کی روشنی پھیلانے میں مسلسل مصروف عمل ہے۔

یہ ادارہ نہ صرف قاری صاحب کے اخلاص اور دینی جذبے کی علامت ہے بلکہ یہ ان کی وراثت ہے، جو نسلوں تک جاری رہے گی۔

قاری اسماعیل ظفر ایک نہایت باوقار اور خوش اخلاق شخصیت کے حامل تھے، جو اپنے وقت کے علمائے کرام اور بزرگوں کے بے حد احترام میں معروف تھے۔ ان کی عاجزی اور ادب کا یہ عالم تھا کہ برصغیر کے تمام جید علماء اور بزرگان دین ان سے خصوصی محبت اور عقیدت رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مولا علی مسجد، جہاں وہ امام کے فرائض انجام دیتے تھے، کئی اہم اور تاریخی ملاقاتوں کا مرکز بنی۔

مولانا علی میاں کا قیام:

قاری اسماعیل ظفر کی دعوت پر مشہور عالم دین، مولانا علی میاں ندویؒ (ابوالحسن علی ندویؒ) نے مولا علی مسجد میں قیام فرمایا۔ اس قیام کے دوران، مولانا علی میاں نے مسجد میں اپنے پراثر خطبات اور نصیحتوں سے لوگوں کے دلوں میں دین کی محبت پیدا کی۔ یہ ملاقات قاری صاحب کی بزرگان دین سے وابستگی اور ان کے ادب و احترام کی علامت تھی۔

مولانا وحید الدین خان کی آمد:

اسی طرح، برصغیر کے ممتاز مفکر اور مصنف مولانا وحید الدین خانؒ بھی مولا علی مسجد میں تشریف لائے۔ ان کی آمد قاری اسماعیل ظفر کی دعوت پر ہوئی، جہاں انہوں نے اپنے منفرد انداز میں فکر انگیز گفتگو کی اور دین کے فہم کو آسان اور عام فہم انداز میں پیش کیا۔ قاری صاحب کی یہ کوششیں ظاہر کرتی ہیں کہ وہ علمی اور فکری تحریکات کے قدردان تھے اور امت کے لیے بہتر مواقع فراہم کرنا چاہتے تھے۔

قاری اسماعیل ظفر کی شخصیت، ان کی اعلیٰ اخلاقی اقدار، اور بزرگوں کے ساتھ ان کا والہانہ تعلق مولا علی مسجد کو ایک روحانی اور فکری مرکز میں تبدیل کرنے کا سبب بنا۔ یہ تاریخی واقعات ان کے اخلاص اور دینی جذبے کی واضح مثال ہیں، جنہوں نے مسجد کو نہ صرف عبادت کا مقام بلکہ ایک علمی اور روحانی مرکز بھی بنایا۔ ان کی یہ خدمات آج بھی یادگار ہیں اور لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت کو زندہ رکھتی ہیں۔

قاری اسماعیل ظفرؒ
ایک مشفق بزرگ، کچھ باتیں کچھ یادیں

احمد علی قاسمی

یہ فروری 2014 کی بات ہے جب پہلی بار میری ملاقات قاری اسماعیل ظفر صاحب سے ہوئی۔ انہی دنوں میں میں نے جبریل انٹرنیشنل اسکول میں اپنے تدریسی سفر کا آغاز کیا تھا نیز یہ وہ وقت تھا جب قاری صاحب نے اپنی تعلیمی مصروفیات کو محدود کر دیا تھا، لیکن اس کے باوجود وہ سماجی، تعلیمی، علمی، اور دعوتی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ مختلف پروگراموں میں شرکت کرتے اور اور قوم وملت کی رہنمائی فرماتے۔

میری قاری صاحب سے ملاقاتیں کبھی پروگراموں میں تو کبھی مولا علی مسجد میں ہوتی رہیں۔ ان ملاقاتوں نے ان کی شخصیت اور افکار کو قریب سے جاننے کا موقع فراہم کیا

اور ان کے ساتھ استاد اور شاگرد کا ایک خاص رشتہ قائم ہو گیا اس کے بعد جب بھی قاری صاحب سے ملاقات ہوتی ہمیشہ بڑی شفقتوں اور محبتوں کا اظہار فرماتے۔

سال 2014 اور 2015 کے دوران، جب ہمارا قیام شمش الہدا روڈ میں واقع جبریل انٹرنیشنل اسکول کے بالائی منزل پر تھا، قاری صاحب کا رویہ ہماری ضروریات کو لے کر بے حد مشفقانہ تھا۔ وہ وقتاً فوقتاً ہمارے کمرے میں تشریف لاتے اور ہماری بنیادی ضرورتوں کے بارے میں دریافت کرتے۔ وہ دیکھتے کہ ہم کسی پریشانی میں تو نہیں اور ہر ممکن کوشش کرتے کہ ہماری ضروریات پوری ہوں۔ چاہے وہ کھانے پینے کا انتظام ہو، عام ضروریات کی چیزوں کی فراہمی ہو یا صفائی کے انتظامات، وہ ہر چھوٹی بڑی بات کا خیال رکھتے۔

قاری صاحب کی قرآن سے محبت اور لگاؤ کا ایک منظر اس وقت سامنے آیا جب ایک دن انہوں نے مجھ سے قرآن کی تلاوت سنانے کو کہا۔ میں نے قرآن کریم کا ایک رکوع پڑھا، اور میں نے محسوس کیا کہ ان پر ایک روحانی کیفیت طاری ہو گئی۔ تلاوت کے اختتام پر انہوں نے میرے سر پر دستِ شفقت رکھا اور میری قرات کو سراہتے ہوئے دعاؤں سے نوازا۔ ان کا یہ عمل ان کے گہرے روحانی تعلق اور قرآن کی محبت کی عکاسی کرتا ہے۔

قاری صاحب کے انتقال کی خبر میرے لیے کسی ذاتی نقصان سے کم نہ تھی۔ ایسا محسوس ہوا جیسے میں نے ایک عظیم رہنما اور مشفق سرپرست کھو دیا ہو۔ آج وہ ہمارے درمیان نہیں ہیں، لیکن ان کی نصیحتیں، رہنمائی، اور محبت بھری یادیں ہمیشہ ہمارے دلوں میں زندہ رہیں گی۔ ان کی روشنی میں کام کرتے رہنا ہی ان کے لیے حقیقی خراجِ عقیدت ہوگا۔

ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالی قاری اسماعیل ظفر صاحب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کی خدمات کو شرفِ قبولیت بخشے۔ ان کی محبت اور رہنمائی ہمارے لیے ہمیشہ مشعلِ راہ رہے گی۔

مرحوم قاری اسماعیل ظفرؒ
ایک عظیم محبِّ قرآن اور شفیق استاد

غلام ربانی ندوی

قاری اسماعیل ظفر رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی سراپا محبتِ قرآن کی عملی تصویر تھی۔ وہ نہ صرف خود قرآن سے بے پناہ محبت کرتے تھے بلکہ اس کی تعلیم و تبلیغ کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتے۔ ان کی زندگی کا ایک ہی مقصد تھا کہ قرآن کے پیغامات کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے، تاکہ لوگ اس کتابِ ہدایت سے روشنی حاصل کریں اور اپنی زندگی میں انقلاب برپا کریں۔

عظیم اساتذہ اور علمی ورثہ

قاری صاحب کو جن عظیم شخصیات کی صحبت نصیب ہوئی، ان کا علمی مقام بے حد بلند

تھا۔ ان کے استادِ محترم قاری عبدالرشید صاحب تھے، جنہوں نے انہیں قرآن کی تعلیمات میں مہارت بخشی اور قرآن کی محبت ان کے دل میں راسخ کر دی۔ قاری عبد الرشید صاحب کے ہم درس رفیق کوئی اور نہیں، بلکہ مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ تھے، جو دنیا بھر میں اپنے علمی، فکری اور اصلاحی کارناموں کی وجہ سے جانے جاتے ہیں۔ ان کے استادِ محترم مولانا احمد لاہوری نور اللہ مرقدہ تھے، جو اپنے وقت کے بلند پایہ مفسرِ قرآن تھے اور جنہوں نے قرآنی علوم کی گہرائیوں میں غوطہ لگانے کا درس دیا۔

یہی وہ عظیم علمی وراثت تھی جس نے قاری اسماعیل ظفر رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کو نکھارا اور انہیں قرآن کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ وہ خود ہمیشہ اس علمی نسبت پر فخر کرتے اور اس کا عملی اظہار اپنی تعلیم و تبلیغ سے کرتے رہے۔

قرآن کی دعوت اور اس کی ترغیب

ایک مرتبہ قاری صاحب نے مجھے ہاڑی پاڑہ مسجد میں بٹھا کر نہایت شفقت سے سمجھایا کہ قرآن کے پیغامات کو عام کرنے کے لیے سب سے پہلے خود قرآن کو سمجھنا ضروری ہے۔ وہ ہمیشہ تاکید کرتے کہ اگر کوئی قرآن کا ترجمہ اور مفہوم سمجھ لے، تو اس کی زندگی میں ایک زبردست انقلاب آسکتا ہے۔ وہ کہتے : سب سے پہلے خود قرآن سے جُڑو، پھر جس سے ملاقات ہو، اس سے درخواست کرو کہ کم از کم ایک مرتبہ اپنی زندگی میں قرآن کو ترجمے کے ساتھ ضرور پڑھیں، ان شاء اللہ اس کے بعد زندگی کا رخ خود بخود درست سمت میں مڑ جائے گا۔"

یہی وجہ تھی کہ جہاں بھی قاری صاحب جاتے، لوگوں کو قرآن پڑھنے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب دیتے۔ وہ چاہتے تھے کہ ہر مسلمان قرآن کے ساتھ ایسا مضبوط رشتہ

قائم کرے کہ اس کی روشنی سے اس کی دنیا و آخرت دونوں روشن ہو جائیں۔

ہر ایک کے لیے والہانہ محبت اور شفقت

قاری صاحب ایک بے حد شفیق اور درد دل رکھنے والے انسان تھے۔ وہ ہر شخص کو اپنی اولاد کی طرح چاہتے تھے اور ہمیشہ ان کی ضروریات کا خیال رکھتے۔ 2012 کی بات ہے، جب ہم جبریل انٹرنیشنل اسکول کے شعبہ تھیالوجی کے اساتذہ ایک ساتھ کرائے کے کمرے میں رہتے تھے۔ ایک دن قاری صاحب ہمارے کمرے میں تشریف لائے اور دیکھا کہ کھانے پینے کے برتن باضابطہ نہیں ہیں۔

یہ دیکھ کر وہ فوراً بازار گئے اور ہمارے لیے پلیٹیں، گلاس، جگ، چمچ اور ایک مٹی کا گھڑا خرید کر لے آئے۔ ان کا یہ طرزِ عمل ہمیں حیران بھی کر رہا تھا اور ان کی محبت سے دل بھی بھر آ رہا تھا۔ وہ ہمیں محض نصیحت کرنے پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ خود عملی طور پر ہماری ضروریات کو پورا کر کے دکھاتے، تاکہ ہم ان سے سیکھیں کہ دوسروں کی مدد کرنا اور ان کی سہولت کا خیال رکھنا کیسا ہوتا ہے۔

محبت و شفقت کا بحرِ بیکراں

قاری صاحب سے جہاں بھی ملاقات ہوتی، وہ بے پناہ محبت اور شفقت سے پیش آتے۔ وہ نہایت سنجیدگی سے ہر فرد کی بات سنتے اور ہر مسئلے کا حل بتاتے۔ ان کے انداز میں نہ کوئی بناوٹ ہوتی، نہ رسمی گفتگو، بلکہ خلوص اور سچائی جھلکتی تھی۔ ان سے مل کر ہر کوئی محسوس کرتا کہ واقعی کوئی اپنے حقیقی خیر خواہ سے ملا ہے۔

ہمت، حوصلہ اور یقینِ کامل

قاری صاحب بے حد ہمت اور حوصلے والے انسان تھے۔ ان کے یقین کی قوت بے

مثال تھی۔ ایک مرتبہ میں شدید بیمار ہو گیا، بخار کی شدت سے جسم نڈھال تھا اور کمزوری محسوس ہو رہی تھی۔ قاری صاحب تشریف لائے، اپنا مبارک ہاتھ میرے سر پر رکھا اور نہایت پرسکون انداز میں کہا:

" کچھ نہیں ہوا، چلو میرے ساتھ باہر، ابھی ٹھیک ہو جاؤ گے۔"

یہ الفاظ کوئی عام الفاظ نہیں تھے، بلکہ ان کے اندر جو یقین اور برکت تھی، وہ ناقابلِ بیان تھی۔ میں کمزوری کے باوجود ان کے ساتھ باہر نکلا، اور حیرت انگیز طور پر کچھ دیر میں واقعی طبیعت بہتر محسوس ہونے لگی۔ وہ ہمیں ہمیشہ یہ سکھاتے تھے کہ بیماری، تکلیف یا پریشانی میں ہمت نہیں ہارنی چاہیے، بلکہ اللہ پر کامل بھروسہ رکھنا چاہیے اور حالات کا مقابلہ حوصلے اور صبر کے ساتھ کرنا چاہیے۔

یادوں کا چراغ ہمیشہ روشن رہے گا

قاری اسماعیل ظفر رحمۃ اللہ علیہ کی ذات ایک چراغ کی مانند تھی جو اپنے اردگرد موجود لوگوں کے لیے روشنی کا ذریعہ بنی رہی۔ ان کی یادیں آج بھی دل و دماغ میں تازہ ہیں۔ ان کی محبت، شفقت، علم دوستی، اور قرآن سے بے پناہ وابستگی آج بھی ہمیں درس دیتی ہے کہ اگر واقعی کامیاب زندگی گزارنی ہے، تو قرآن سے جُڑنا ہوگا، ہمت اور حوصلے کو بلند رکھنا ہوگا، اور دوسروں کے لیے خیر خواہی کا جذبہ رکھنا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ قاری صاحب کو جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے اور ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین۔

قاری محمد اسماعیل ظفرؒ

علم، اخلاص اور روحانی سرپرستی کی روشن علامت

موسیٰ امام قاسمی

قاری محمد اسماعیل ظفر رحمۃ اللہ علیہ کا نام نہ صرف علمی دنیا میں ایک عظیم مقام رکھتا ہے بلکہ روحانی، اخلاقی اور تربیتی میدان میں بھی آپ کی شخصیت ایک مینارِ نور کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ کی زندگی قرآنِ کریم کی عملی تصویر تھی۔ ایک ایسی زندگی جو تعلیم، تربیت، دعا، اخلاص اور خدمت سے عبارت تھی۔ قاری صاحبؒ ہم میں سے اکثر کے لیے صرف ایک بزرگ یا معلم نہیں تھے وہ ایک باپ جیسے تھے۔ ان کا ہر ملنا، ہر بات کرنا، ایک باپ کی شفقت، ایک مربی کی رہنمائی، اور ایک روحانی بزرگ کی دعاؤں سے لبریز ہوتا تھا۔ وہ ہمیں ہمیشہ اپنا بیٹا سمجھتے تھے، اور ہم سب انہیں اپنے والد جیسی شخصیت سمجھتے تھے۔ جب بھی ہم ان سے ملتے، ان کی گود میں سر رکھ کر بیٹھنے کا دل چاہتا، ان کے لہجے میں محبت بھی

ہوتی، شفقت بھی، اور رہنمائی بھی۔ان کی محبت قرآن سے مثالی تھی۔ وہ صرف حافظ قرآن نہیں تھے، بلکہ عاشق قرآن تھے۔ ان کے دل کی دھڑکنوں میں، ان کی دعاؤں میں، ان کی گفتگو کے ہر جملے میں قرآن کی روشنی جھلکتی تھی۔ وہ قرآن کو صرف پڑھتے نہیں تھے، قرآن کو جیتے تھے۔قاری صاحبؒ جب بھی تشریف لاتے، خاص طور پر جبریل انٹرنیشنل اسکول کے بارے میں ضرور پوچھتے۔ وہ ہمیشہ فرماتے: یہ اسکول ایک مشن ہے، ایک انقلاب ہے۔ یہاں دینی اور عصری تعلیم ساتھ ساتھ دی جارہی ہے، یہ وہ کام ہے جو ہماری اگلی نسلوں کو ایمان، علم اور عمل کے ساتھ جوڑے گا۔تم لوگ اس کام کو ایمان داری سے کرو، یہ تمہاری دنیا بھی سنوارے گا اور آخرت بھی۔ان کے ان الفاظ میں نہ صرف محبت چھپی ہوتی، بلکہ ایک بصیرت بھری پیشین گوئی بھی ہوتی تھی۔ وہ جبریل اسکول کو ایک تحریکی ادارہ سمجھتے تھے، اور ہمیشہ ہماری حوصلہ افزائی فرماتے کہ ہم اخلاص کے ساتھ اس مشن کو آگے بڑھائیں۔ان کی شخصیت میں سادگی، وقار، خشیت اور توکل کا عجیب امتزاج تھا۔ وہ نہ صرف استاد تھے، بلکہ رہبر بھی تھے۔ نہ صرف داعی تھے، بلکہ دلوں کو تسخیر کرنے والے داعی۔ہم نے ان کی زندگی میں بے شمار مواقع پر صدقہ وخیرات، یتیموں سے محبت، بیماروں کے لیے دعائیں، اور خاموش مدد کا جو انداز دیکھا، وہ سیکھنے کے قابل تھا۔ وہ کہتے تھے: اللہ بڑی بڑی مصیبتیں صدقہ کے ذریعے ٹال دیتا ہے۔ جو بھی ہو، پہلے صدقہ کرو، دل سے دعا کرو۔قاری صاحبؒ ہم سے رخصت ہو چکے ہیں، لیکن ان کی دعائیں، ان کی ہدایات، ان کے الفاظ، ان کا اخلاص، اور ان کی روحانی موجودگی اب بھی ہمارے ساتھ ہے۔ان جیسی شخصیات کے لیے کوئی ایک مضمون، کوئی ایک تقریر، ان کی زندگی کا احاطہ نہیں کرسکتی۔ وہ ان شخصیات میں سے تھے جن کے بارے میں کہا جاتا

ہے: کم ہوتے ہیں ایسے باپ، ایسے استاد، ایسے رہنما جن کی موجودگی میں سکون ملے، اور غیر موجودگی میں ان کی یاد مشعلِ راہ بن جائے۔

یااللہ! قاری محمد اسماعیل ظفرؒ کی قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنادے۔ ان کی لغزشوں کو معاف فرما، ان کے درجات بلند فرما، اور ہمیں ان کی نیک باتوں، نیک ارادوں، نیک مشن کو جاری رکھنے کی توفیق دے۔ ہمیں بھی ان کے نقش قدم پر چلنے کی ہمت دے، اور ہماری نسلوں کو قرآن کا عاشق، دین کا خادم اور امت کا رہبر بنا۔

آمین یارب العالمین۔

قاری اسماعیل ظفرؒ
ایک مخلص رہنما اور ملت کے معمار

ابوسعید ندوی

قاری اسماعیل ظفر صاحبؒ ایک ایسی شخصیت کا نام ہے جو خلوص، ایثار، اور خدمتِ خلق کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔ ان کی پوری زندگی قوم وملت کی تعمیر وترقی کے لیے وقف رہی۔ وہ ایک ایسے عالمِ دین تھے جنہوں نے دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ جدید علوم کو بھی امت کے لیے لازم سمجھا اور اسی سوچ کو عملی جامہ پہناتے ہوئے انہوں نے باب العلوم کے نام سے ایک ایسا تعلیمی ادارہ قائم کیا، جو نصف صدی سے علم وشعور کی روشنی پھیلا رہا ہے۔

باب العلوم : ایک تاریخی تعلیمی ادارہ

قاری اسماعیل ظفرؒ صاحب کی بصیرت اور دور اندیشی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے باب العلوم کے قیام کے وقت ہی یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اس مدرسے میں نہ صرف دینی علوم بلکہ جدید دنیاوی علوم جیسے ریاضی، انگریزی اور دیگر مضامین بھی پڑھائے جائیں گے۔ ان کی اس منفرد سوچ نے باب العلوم کو ایک مثالی درسگاہ میں بدل دیا، جہاں قرآن کریم کی تعلیم کے ساتھ جدید تعلیمی تقاضوں کو بھی پورا کیا جاتا رہا۔ یہی وجہ ہے کہ اس مدرسے کے فارغ التحصیل طلبہ حفظِ قرآن کی تکمیل کے بعد اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے رہے ہیں اور آج دنیا کے مختلف پلیٹ فارمز پر اپنی قابلیت اور صلاحیتوں کا لوہا منوا رہے ہیں۔

یہی تعلیمی وژن تھا جس نے باب العلوم کو ایک روایتی مدرسے کے بجائے ایک ہمہ جہت تعلیمی مرکز میں تبدیل کر دیا، جہاں دینی اور دنیاوی علوم میں کوئی تفریق نہیں کی گئی بلکہ ان دونوں کو ایک دوسرے کا معاون سمجھ کر پڑھایا گیا۔ قاری اسماعیل ظفر صاحب کی اس فکری بلندی نے قوم کو وہ گوہرِ نایاب فراہم کیے جو آج دنیا کے مختلف شعبوں میں کارہائے نمایاں انجام دے رہے ہیں۔

جبریل انٹرنیشنل اسکول : جدید تعلیمی نظام کی طرف ایک انقلابی قدم

قاری اسماعیل ظفر صاحبؒ کی تعلیمی خدمات کا ایک اور عظیم کارنامہ جبریل انٹرنیشنل اسکول ہے، جو ان کے فرزندوں کی کاوشوں سے آج ایک نمایاں تعلیمی ادارے کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ ادارہ ایک مکمل اسلامی ماحول میں جدید طرزِ تعلیم کا حسین امتزاج ہے، جہاں بچوں کو عصری تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم بھی فراہم کی جاتی ہے۔

جبریل انٹرنیشنل اسکول کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں بین الاقوامی معیار کی تعلیم

فراہم کی جاتی ہے اور جدید دور کی ضروریات کے مطابق نصاب کو ترتیب دیا گیا ہے۔ اس اسکول کے فارغ التحصیل طلبہ نہ صرف اسلامی اقدار سے مزین ہوتے ہیں بلکہ وہ جدید سائنسی، تکنیکی اور فکری علوم میں بھی مہارت رکھتے ہیں۔ یہ ادارہ اس بات کا ثبوت ہے کہ قاری اسماعیل ظفر صاحبؒ کا خواب محض ایک مدرسے کی حد تک محدود نہیں تھا بلکہ وہ امتِ مسلمہ کو ہر میدان میں کامیاب دیکھنا چاہتے تھے۔

سماجی خدمات اور رفاہی کام

تعلیم کے میدان میں شاندار خدمات کے ساتھ ساتھ قاری اسماعیل ظفر صاحب نے سماجی میدان میں بھی گرانقدر خدمات انجام دیں۔ انہوں نے نہ صرف تعلیمی ادارے قائم کیے بلکہ غریبوں، یتیموں اور ضرورت مندوں کی کفالت کے لیے بھی کئی فلاحی منصوبے شروع کیے۔ ان کی شخصیت کا سب سے بڑا وصف یہ تھا کہ وہ کبھی شہرت کے طلبگار نہیں رہے، بلکہ ہر کام خالص اللہ کی رضا کے لیے کرتے رہے۔

وہ ہمیشہ یہی کوشش کرتے رہے کہ ملت کے نوجوان علم سے آراستہ ہوں، انہیں روزگار کے بہتر مواقع ملیں اور وہ اپنے معاشرے کے لیے ایک مفید شہری ثابت ہوں۔ وہ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ تعلیم ہی وہ واحد ذریعہ ہے جو قوم کو ترقی کی راہ پر گامزن کرسکتا ہے، اور یہی ان کی زندگی کا سب سے بڑا مشن تھا۔

ایک مشعلِ راہ

قاری اسماعیل ظفر صاحبؒ کی زندگی ہم سب کے لیے ایک مشعلِ راہ ہے۔ ان کی خدمات کا سلسلہ محض تعلیمی اداروں تک محدود نہیں بلکہ انہوں نے امت کے ہر شعبے میں رہنمائی فراہم کی۔ ان کے قائم کردہ ادارے آج بھی اسی جوش و جذبے کے ساتھ علم کی شمع روشن کیے ہوئے

ہیں، اوران کی تعلیمات ونظریات آئندہ نسلوں کے لیے مشعلِ راہ بنے رہیں گے۔

ان کا لگایا ہوا یہ علمی وتربیتی باغ آج بھی سرسبز وشاداب ہے، اور آنے والے وقت میں اس کی ثمر آور شاخیں پوری دنیا میں اپنا رنگ دکھاتی رہیں گی۔ قاری اسماعیل ظفر صاحبؒ کی یہ کوششیں قوم کے لیے ایک ایسا تحفہ ہیں جو نسل درنسل جاری رہے گا اور ان کے اخلاص ومحنت کی خوشبو ہمیشہ محسوس کی جاتی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کے لگائے ہوئے علمی وتربیتی اداروں کو مزید ترقی اور استحکام عطا کرے۔ آمین۔

قاری محمد اسماعیل ظفرؒ
ایک مشفق مربی اور روشن چراغ

محمد اسرافیل اسلام ندوی

علمائے کرام اور قراء عظام کی صف میں کچھ شخصیات ایسی ہوتی ہیں جو نہ صرف علم و تقویٰ میں بلند مقام رکھتی ہیں بلکہ ان کا اخلاق، شفقت، اور تربیتی انداز بھی دلوں کو چھو لیتا ہے۔ قاری محمد اسماعیل ظفر رحمہ اللہ انہی میں سے ایک ہستی تھے۔ ان کا وجود ایک روشن چراغ تھا جو نہ صرف قرآن کی تعلیم سے لوگوں کو منور کرتا بلکہ ان کی صحبت میں بیٹھنا خود ایک تربیت بن جاتی۔

ابتدائی زندگی اور تعلیم

قاری اسماعیل ظفر رحمہ اللہ نے قرآن کریم کی تعلیم ابتدائی عمر میں ہی حاصل کر لی تھی۔

ان کا تلفظ، قراءت، اور تجوید میں کمال درجہ کا عبور تھا۔ انہوں نے قرآن کے ساتھ اپنی گہری محبت کو صرف ذاتی فائدے تک محدود نہیں رکھا بلکہ پوری زندگی اسے دوسروں تک پہنچانے اور عام کرنے میں لگادی۔

تدریسی خدمات

قاری صاحب رحمہ اللہ ایک ماہر مدرس تھے۔ ان کا اندازِ تدریس نہایت محبت بھرا، نرم لہجہ اور فہم و فراست سے بھرپور ہوتا تھا۔ شاگردوں کے ساتھ ان کا سلوک والدانہ شفقت سے کم نہ تھا۔ ان کے پاس بیٹھ کر قرآن پڑھنا صرف الفاظ کا ابلاغ نہیں بلکہ دل کی تربیت، ایمان کی تازگی اور کردار سازی کی ایک نایاب محفل ہوتی تھی۔

آپ کا ذاتی تعلق

میرے لیے قاری صاحب صرف ایک استاذ نہیں تھے، وہ ایک مہربان بزرگ اور ایک مشفق مربی کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کے ساتھ گزرا ہوا ہر لمحہ ایک قیمتی یاد بن چکا ہے۔ وہ جب کبھی مجھ سے ملتے، ان کے چہرے پر ایک پرنور مسکراہٹ ہوتی، اور ان کی دعائیں میرے دل کو سکون دیتی تھیں۔

ایک مرتبہ میں کسی ذاتی پریشانی میں مبتلا تھا، قاری صاحب نے محض میری آنکھوں کے تاثرات سے میری کیفیت جان لی، اور اپنے مخصوص انداز میں میرے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا:

"بیٹا! اللہ کے کلام سے جُڑے رہو، ہر دکھ کا علاج قرآن میں ہے۔"

یہ الفاظ آج بھی میرے دل میں گونجتے ہیں۔

قاری صاحب کی پوری زندگی اخلاص کا مظہر تھی۔ وہ کبھی دکھاوے، شہرت، یا

تعریف کے لیے قرآن نہیں پڑھاتے تھے بلکہ ان کا مقصد صرف رضائے الٰہی ہوتا۔ وہ اکثر فرمایا کرتے تھے:

" قرآن کو پڑھو، سمجھو، اور اپنی زندگی کا حصہ بنالو، تبھی تمہاری زبان کی قراءت دلوں کو اثر دے سکے گی۔"

* وفات اور دینی حلقوں میں غم *

قاری محمد اسماعیل ظفر رحمہ اللہ کی وفات صرف ان کے خاندان یا شاگردوں کے لیے ہی نہیں بلکہ پورے علمی و دینی حلقے کے لیے ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ ان کی کمی مدتوں محسوس کی جاتی رہے گی۔ ان کے تربیت یافتہ طلباء، ان کی دعاؤں کے محتاج رہنے والے احباب، اور ان کی تلاوت سے روح کو سکون دینے والے سبھی افراد آج ان کی یاد میں اشک بار ہیں۔

قاری محمد اسماعیل ظفر رحمہ اللہ کی یاد ہمیشہ دلوں میں زندہ رہے گی۔ ان کی مسکراہٹ، ان کی شفقت، ان کی دعائیں، اور ان کی محبت بھری نظروں کا تصور آج بھی میرے دل کو سکون دیتا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کے صدقہ جاریہ کو قبول فرمائے۔ آمین

حضرت قاری اسماعیل ظفرؒ

محسن خان ندوی، کلکتہ

شہر کلکتہ نے بے شمار دینی، علمی، ادبی، سیاسی وسماجی شخصیات کو پروان چڑھایا ہے۔قومی وملی خدمات کا جذبہ دلوں میں رکھنے والی عبقری شخصیات اورقومی وملی خدمات کے لیے خود کو نثار کرنے والے جاں نثاروں کا کلکتہ ہمیشہ سے مرکز رہا ہے۔دینی وعلمی درسگاہ کا قیام ہو یا ادبی رسالہ وتحریکی اخبارات کی بات ہو کلکتہ کو اولیت حاصل رہی ہے۔قوم کی ملی وسیاسی رہنمائی سے لیکر دینی مسائل کے حل میں اہل علم،علماء ودانشورانِ کلکتہ پیش پیش نظر آتے ہیں۔جب ہم کلکتہ کی ان عبقری شخصیات پر طائرانہ نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں ایک سلسلۃ الذہب نظر آتا ہے جس میں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی، مولانا ابوسلمہ شفیع، حکیم زماں حسینی، ملا جان محمد، مولانا معصومی جیسی ہر فن مولا شخصیتیں نظر آتی ہیں۔اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی کے طور پر حضرت قاری اسماعیل ظفر صاحب نوراللہ مرقدہ اپنے گونا گوں صفات کی وجہ سے شمار کئے جانے کے

قابل ہیں۔

حضرت قاری صاحب کو پہلی بار غالبا 2008/2009 میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی مسجد میں دیکھا، کسی نے بتایا یہ بزرگ قاری اسماعیل ظفر صاحب ہیں کلکتہ سے آئے ہیں۔حضرت قاری صاحب نے مولانا خالد غازی پوری ندوی صاحب (استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) سے ندوہ کی مسجد کے صحن میں بہت گرم جوشی سے ملاقات کی اور محو گفتگو ہو گئے۔ندوہ سے میری فراغت کے بعد حضرت قاری صاحب سے دوبارہ ملاقات رابطہ ادب اسلامی عالمی کے ایک یادگار سیمینار میں ہوئی جو کلکتہ میں ہی ۱۶، ۱۷ر دسمبر ۲۰۱۲ء جبریل انٹرنیشنل اسکول کے زیر اہتمام منعقد ہوا تھا جو واقعی ایک علمی و تاریخی سیمینار تھا اسی سیمینار میں خاکسار کو پروفیسر محسن عثمانی ندوی صاحب اور ڈاکٹر سلمان بن علامہ سید سلیمان ندوی صاحب کی زیارت کا شرف حاصل ہوا تھا۔اس سیمینار میں حضرت قاری صاحب کو بہت فعال اور ایکٹیو دیکھا مہمانان کرام کا استقبال، پروگرام کے دیگر امور کی نگاہ داشت، بطور خاص حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ (سابق ناظم ندوۃ العلماء) کی دیکھ بھال وغیرہ (ویسے حضرت قاری صاحب کو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ سے بھی خاص لگاو تھا اور حضرت مولانا بھی قاری صاحب پر شفقت فرماتے تھے کہا جاتا ہے کہ ایک بار حضرت مولاناؒ جب کلکتہ تشریف لائے تو بہت سے چاہنے والوں کے بیچ حضرت قاری صاحب کے مدرسہ باب العلوم کو اپنی قیام کے لئے پسند فرمایا تھا)۔

سیمینار کے بعد وقتاً فوقتاً کلکتہ کے بہت سے سینئر ندوی فضلا سے حضرت قاری صاحب کا ذکر خیر سنا کرتا تھا اور حضرت قاری صاحب کے قائم کردہ مدرسہ باب العلوم مولیٰ

علی اوراس میں تعلیم وتعلم کا بے مثال طریقہ کار، انداز تربیت ڈسپلین اوراس مدرسہ سے حفاظ اور تعلیم حاصل کرنے والوں کا بھی ذکر سنا،جس سے قاری صاحب کی قابلیت و عزمت کا اثر دل میں بڑھتا گیا۔ ندوہ سے میری فراغت کے بعد قاری صاحب کے صاحبزدگان میں سے جناب مولانا ڈاکٹر صباح اسماعیل صاحب ندوی سے بطور خاص انسیت و جان پہچان ہوئی۔ مولانا نے متعدد پروگراموں میں مدعو کیا اور بہت سے پروگراموں میں حضرت قاری صاحب کو اسٹیج کا وقار اور رونق بڑھاتے دیکھا۔

حضرت قاری صاحب اپنے زمانہ کے علماء و دانشوران میں ممتاز مقام رکھنے والی شخصیت تھے اور کلکتہ کے بہت ہی فعال سماجی کارکن بھی تھے۔آپ دینی و دنیاوی علوم میں یکساں مہارت رکھنے والے تھے ایک طرف جہاں آپ حافظ قرآن وقاری تھے وہیں دوسری طرف آپ نے بی اے اور فارسی میں ایم اے تک تعلیم بھی حاصل کی تھی۔ ایک طرف آپ علم دین کی نشر واشاعت کرتے رہے تو دوسری طرف عوام کی بھر پور رہنمائی کا بھی فریضہ انجام دیا۔مسجد کی امامت سے لیکر قوم کی قیادت تک ہر میدان میں سرگرم عمل رہے۔صرف مسجد کے منبر ومحراب سے خطبہ جمعہ و وعظ نصیحت پر بس نہیں کیا بلکہ بوقت ضرورت سیاسی اسٹیج بھی سنبھالا۔حدیث میں ہے نیک اولاد بھی انسان کے لیے صدقہ جاریہ ہے حضرت قاری صاحب نے اپنے بچوں کی بہترین تعلیم وتربیت کی چنانچہ فی الوقت جناب مولانا صباح اسماعیل صاحب ندوی علیگ شہر کلکتہ ہی نہیں ملک کے مایہ ناز عالم دین ومفسر قرآن ہیں ، جناب عبد الباسط اسماعیل جبریل انٹرنیشنل اسکول جیسے بہترین تعلیمی ادارہ کے پرنسپل ہیں اور تعلیمی خدمات انجام دے رہے ہیں ایڈوکیٹ جناب یاسر اسماعیل نے وکالت کی تعلیم مکمل کی ہے اور کلکتہ میں ہی وکالت کی پریکٹس بھی جاری

ہے سہیل وسعید بھائی اور دیگر بیٹے بھی اپنے والد ماجد حضرت قاری صاحب کی نیک نامی کا سبب ہیں نیک ہیں دین دار ہیں، تمام اولادیں اپنے والد ماجد حضرت قاری صاحبؒ کے دکھائے ہوئے راستہ پر گامزن ہیں دینی، ملی، سماجی و تعلیمی خدمات کے ساتھ ساتھ خدمت خلق میں بھی پیش پیش ہیں۔ اللہ تعالی پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے اور حضرت قاری صاحب کی مغفرت فرمائے اعلی علّیین میں جگہ عنایت فرمائے۔ بقول ستر یا اسی کی دہائی میں یکساں سول کوڈ کی بات اٹھائی جا رہی تھی اس زمانہ میں حضرت قاری صاحب نے اس فتنہ کے خلاف بڑی محنت اور بھاگ دوڑ کی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب قاری صاحب کانگریس سے منسلک تھے۔

حضرت قاری صاحب کی خدمات کئی دہائیوں تک محیط ہے۔ امامت وخطابت کی بات کی جائے تو آپ مولی علی مسجد کے عمر کی آخری سانس تک امام رہے اور ایک عرصہ دراز تک امامت وخطابت کا فریضہ بحسن خوبی انجام دیا، اسی طرح درس وتدریس کی بات کی جائے تو مولی علی مسجد میں آپ نے باب العلوم کے نام سے مدرسہ کی بنیاد رکھی جس میں ناظرہ قرآن، حفظ کے علاوہ بنیادی دینی تعلیم کا نظم ہے، آپ کی ہی سرپرستی میں شہر کلکتہ کا معروف ومشہور اسلامی اسکول جبریل انٹرنیشنل اسکول اپنی خدمات پیش کر رہا ہے۔ اسی طرح بعض سماجی ورفاہی اداروں سے بھی آپ منسلک رہ کر خدمت خلق کا کام انجام دیا کرتے تھے۔

ادھر کچھ مہینوں سے بعض پروگراموں میں حضرت قاری صاحب کو بہت لاغر اور کمزور پایا آواز میں بھی کپکپی محسوس کی۔ آخری بار حضرت قاری صاحب کو ۱۱/اگست ۲۰۲۳ بروز جمعہ مغربی بنگال اردو اکیڈمی کے مولانا آزاد آڈیٹوریم میں جناب مولانا

ڈاکٹر صباح اسماعیل صاحب ندوی کی مایہ ناز خدمت قرآن فرمان الٰہی کا ستائس سالا سلسلہ پایہ تکمیل کو پہنچا تو اس کی خوشی میں منعقد ایک قرآنی مجلس میں دیکھا۔حضرت قاری صاحب نے کپکپاتی آواز میں اپنا بیان پڑھ کر سنایا بیان کیا تھا دل کے جزبات تھے جس کا اظہار ایک باپ اپنے بیٹے کی کامیابی پر بڑے فخر سے کر رہا تھا جس میں دعا بھی تھی شکر بھی اور فخر بھی تھا اور اطمینان بھی۔شاید یہ پروگرام حضرت قاری صاحب کا آخری عوامی پروگرام تھا اس کے بعد قاری صاحب کو کسی قابل ذکر پورگرام میں شریک ہوتے نہیں دیکھا۔

حضرت قاری صاحب خادم القرآن تھے اور رمضان قرآن کا مہینہ ہے۔رمضان المبارک کا مہینہ بڑی رحمتوں و بخششوں والا مہینہ ہوتا ہے۔رمضان المبارک میں جب کوئی اللہ کے حضور حاضر ہوتا ہے تو اس کا قوی امکان ہوتا ہے اللہ اس کی مغفرت فرما دے گا تبھی اسے اپنے پاس رمضان کے مبارک مہینہ میں بلا رہا ہے۔اسی رمضان کی ایک رات (۱۶ رمضان المبارک ۲۷ مارچ ۲۰۲۴) جناب مولانا صباح اسماعیل صاحب کا ایک میسج موصول ہوا دل دھک سے رہ گیا حضرت قاری صاحب بھی راہی عدم ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔پہلی ملاقات سے آخری دیدار تک کی تمام تصویریں دل و دماغ میں گھومنے لگیں۔حضرت قاری صاحب کی پوری زندگی خدمت قرآن میں گزری۔ آپ ایک محنت و جفا کش شخص تھے آپ نے 40 سے 50 سال تک مسلسل باب العلوم سے علم کی تقسیم کی سیکڑوں طالب علموں نے اس باب العلوم سے اور حضرت قاری صاحب کی ذات سے فیض حاصل کیا۔

قاری اسماعیل ظفرؒ
ایک علمی، دینی اور سماجی شخصیت

مظاہر انوار ندوی

قاری اسماعیل ظفر صاحب مرحوم ان عظیم شخصیات میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے نہ صرف خود دین کا علم حاصل کیا بلکہ اپنی پوری زندگی اس علم کو پھیلانے، طلبہ کی تربیت کرنے اور نئی نسل کو دینی اقدار سے روشناس کرانے میں صرف کردی۔ آپ مدرسہ باب العلوم کے بانی تھے، اور یہ ادارہ آج بھی آپ کے اخلاص، قربانی اور مسلسل محنت کا زندہ ثبوت ہے۔

ابتدائی زندگی اور تعلیم

قاری اسماعیل ظفرؒ صاحب کا تعلق ایک دینی اور علمی گھرانے سے تھا۔ گھر کے دینی

ماحول نے بچپن ہی سے آپ کے دل میں قرآن اور اسلامی علوم سے محبت پیدا کر دی تھی۔ آپ نے کم عمری میں قرآنِ کریم حفظ کیا، پھر تجوید و قراءت میں مہارت حاصل کی، اور اس کے بعد علومِ دینیہ کی اعلیٰ تعلیم مکمل کی۔

مدرسہ باب العلوم کا قیام

جس وقت آپ نے مدرسہ باب العلوم کی بنیاد رکھی، اس وقت علاقے میں ایسے اداروں کی کمی تھی جو طلبہ کو حفظ، ناظرہ، تجوید اور دینی علوم کی باقاعدہ تعلیم فراہم کریں۔ قاری صاحب نے خالص اخلاص کے جذبے سے اس ادارے کا آغاز کیا۔ ابتدائی طور پر یہ ایک چھوٹے سے کمرے میں قائم ہوا، مگر آپ کی محنت، قربانی اور اللہ پر اعتماد کی بدولت یہ مدرسہ ترقی کرتا گیا اور آج ایک معروف دینی ادارے کی شکل اختیار کر چکا ہے۔

حفظ القرآن میں خدمات

قاری اسماعیل ظفرؒ صاحب کا اصل میدان حفظ القرآن تھا۔ آپ نے نہ صرف خود عمدہ قراءت کے ساتھ قرآن مجید حفظ کیا بلکہ ہزاروں طلبہ کو حفظ کرایا۔ آپ کے شاگرد آج ملک بھر کے مختلف مدارس، مساجد اور مراکز میں تدریس، امامت اور دعوت و تبلیغ کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ آپ کی خاص بات یہ تھی کہ ہر طالبعلم کے ساتھ انفرادی دلچسپی لیتے، حفظ کو مضبوط کرنے کے لیے خاص تدابیر اپناتے، اور اخلاقی تربیت کو بھی لازمی سمجھتے۔

علمی مقام اور تدریسی انداز

قاری صاحب محض حافظ قرآن ہی نہیں تھے بلکہ دینی علوم میں بھی گہری بصیرت رکھتے

تھے۔تفسیر، حدیث، فقہ، اور سیرت جیسے علوم میں ان کی مہارت قابلِ رشک تھی۔ ان کی گفتگو میں علم کی گہرائی، اخلاص کی مہک اور حکمت کی جھلک واضح ہوتی تھی۔ ان کا تدریسی انداز محبت بھرا، نرم اور دل کو چھو لینے والا ہوتا، جس سے بچے نہ صرف علم حاصل کرتے بلکہ ان سے دلی وابستگی بھی محسوس کرتے۔

اخلاق و کردار

قاری اسماعیل ظفر صاحب ایک نہایت منکسر المزاج، بااخلاق اور خلیق انسان تھے۔ ان کے چہرے پر ہر وقت مسکراہٹ رہتی، اور جو بھی ان سے ملاقات کرتا، خوشی اور سکون محسوس کرتا۔ ان کی شخصیت میں اخلاص، عاجزی، سادگی اور اللہ سے محبت نمایاں تھی۔ انہوں نے ہمیشہ دنیاوی نمود و نمائش سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے دین کی خالص خدمت کو اپنا مشن بنایا۔

وفات اور یادیں

قاری صاحب کی وفات اہلِ علم اور دین کے حلقوں کے لیے ایک عظیم سانحہ تھی۔ ان کی رحلت سے نہ صرف مدرسہ باب العلوم بلکہ پورے علاقے میں ایک علمی و روحانی خلا پیدا ہو گیا ہے، جسے پر کرنا ممکن نہیں۔ ان کی خدمات، شفقت، اور محبت آج بھی ان کے شاگردوں اور چاہنے والوں کے دلوں میں زندہ ہیں۔

قاری اسماعیل ظفر صاحب مرحوم کی زندگی ہم سب کے لیے ایک مشعلِ راہ ہے۔ انہوں نے عملی طور پر یہ ثابت کیا کہ اگر کوئی خلوصِ نیت، محنت و لگن کے ساتھ دین کی خدمت کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے راہیں کھول دیتا ہے۔ ان کی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی، اور مدرسہ باب العلوم ان کا صدقہ جاریہ ہے۔

قاری اسماعیل ظفرؒ
ایک قرآنی شخصیت

ناصر جاوید ثقافی

میری زندگی میں قاری اسماعیل ظفر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ ملاقاتیں تو نہیں ہوئیں، مگر جو تھوڑی سی رفاقت رہی، وہ میری یادوں میں نقش ہو کر رہ گئی ہے۔ میں نے انہیں پہلی مرتبہ 2005 میں باب العلوم کی جانب سے منعقدہ نعتیہ مقابلے میں دیکھا۔ ان کی شخصیت ایسی پرکشش اور باوقار تھی کہ پہلی نظر میں ہی یوں محسوس ہوا جیسے کوئی قرآنی شخصیت ہمارے سامنے موجود ہو۔ ان کے چہرے پر نور اور ان کے انداز میں وقار تھا، جو دل پر اثر کرتا تھا۔

بعد کے ایام میں اللہ تعالیٰ نے مجھے جبریل انٹرنیشنل اسکول میں تدریس کا موقع عطا فرمایا۔ یہیں مجھے بارہا ان کو قریب سے دیکھنے، سننے اور سیکھنے کا موقع ملا۔ وہ ہر وقت قرآن کی خدمت میں مشغول رہتے تھے۔ ان کی زبان پر تلاوتِ قرآن کی مٹھاس ہوتی، اور ان

کے دل میں قرآن کی عظمت کا چراغ روشن رہتا۔ وہ قرآن کو صرف پڑھنے اور سنانے تک محدود نہیں رکھتے تھے، بلکہ قرآن کے پیغام کو اپنی زندگی میں اتارنے اور دوسروں تک پہنچانے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔

ان کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ دوسروں کی تلاوتِ قرآن بھی بہت شوق سے سنتے تھے۔ ایک بار میں نے دیکھا کہ وہ ایک کم عمر طالب علم کی قرأت کو نہایت انہماک سے سن رہے تھے، اور بعد میں بہت محبت سے اسے سراہا اور اصلاح بھی کی۔ یہ ان کی عاجزی، اخلاص اور محبت کا ثبوت تھا کہ وہ ہر طالب علم اور قاری کی حوصلہ افزائی کیا کرتے تھے۔

قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دینی دلچسپی محض رسمی یا ظاہری نہ تھی، بلکہ یہ ایک گہری روحانی وابستگی کا مظہر تھی۔ دین کی خدمت ان کی زندگی کا نصب العین تھا۔ وہ علم کے میدان میں ایک بااثر، بامقصد اور بصیرت افروز شخصیت تھے۔ ان کے علم، حلم، اخلاص اور عمل نے بہت سے لوگوں کو متاثر کیا اور ان کی رہنمائی کی۔

ان کی شخصیت نہ صرف علمی میدان میں روشن تھی بلکہ قومی وملّی شعور بھی ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ وہ ہمیشہ قوم کے اصلاحی اور تعلیمی معاملات میں دلچسپی رکھتے اور جہاں جہاں ممکن ہوتا، خدمت کے لیے پیش پیش رہتے۔ ان کی گفتگو میں نرمی، انداز میں سادگی، اور فکر میں گہرائی ہوتی تھی۔ ان کی موجودگی دل کو اطمینان اور روح کو سکون عطا کرتی تھی۔

قاری اسماعیل ظفر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال یقیناً ہمارے لیے ایک بہت بڑا نقصان ہے، مگر ان کی یادیں، ان کی خدمات اور ان کا قرآنی فیض ان شاء اللہ ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، ان کے فیوض کو جاری رکھے، اور ہمیں بھی قرآن سے اسی طرح محبت کرنے اور اس کی خدمت کا جذبہ عطا فرمائے۔ آمین

قاری اسماعیل ظفر
کے شعر و سخن پر اک نظر

ڈاکٹر محمد امین عامر

بیسویں صدی کے نصف اول میں بنگال کی خاک سے جنم لینے والے قاری اسماعیل ظفر اردو زبان و ادب کے ایسے سخن گو ہیں کہ جنہوں نے گلستان شعر و سخن میں اسے عطر آمیز اور مشک و عنبر سے معمور مختلف قسم کے شگوفے کھلائے ہیں جو دل و دماغ کو سدا خوشبوؤں سے متاثر کرتے رہیں گے۔ وہ خانوادہ حاجی محمد یاسین کے چشم و چراغ تھے۔ ان کی پیدائش 18 دسمبر 1949ء کو ہوئی اور آمنہ بی بی کی آغوش شفقت میں پل کر جوانی کی سیڑھیاں طے کرنے لگے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت کے بعد حفظ قرآن کے لئے ان کا داخلہ اس وقت کے معروف و مشہور مدرسہ عظمتیہ کلکتہ میں کرا دیا گیا جہاں بانی مدرسہ قاری

عبدالقوی اثیم کے درس سے وہ بہت فیضاب ہوئے اتفاق سے پروفیسر حافظ طاہر علی کی رفاقت بھی انہیں میسر ہوئی جہاں وہ دونوں حفظ قرآن کے شعبہ میں ہم درس تھے۔ مدرسہ عظمتیہ سے تکمیل حفظ کے بعد قاری ظفر نے مزید تعلیم کی خاطر مدرسہ عالیہ کلکتہ میں داخلہ لے لیا جہاں نورالہدی صاحب ان کے ہم درس مل گئے۔ نورالہدی صاحب بعد میں اسی مدرسہ کے معلم بھی ہوئے اور وہیں سے سبکدوش بھی ہوئے۔ مدرسہ عالیہ سے میٹرک کرنے کے بعد قاری ظفر نے کالج میں داخلہ لیا اور آرٹس میں گریجویشن کیا اس کے بعد کلکتہ یونیورسٹی سے اردو زبان و ادب میں ایم۔ اے کی سند سے بھی سرفراز ہوئے۔ اس طرح وہ دینی اور عصری دونوں علوم سے مرصع تھے اور درحقیقت وہ کثیر الجہات شخصیت کے مالک تھے یعنی حافظ، قاری، مقرر، مبلغ، معلم، امام، شاعر، سماجی و ملی کارکن اور فٹ بال کے نہ صرف یہ کہ شائق بلکہ کھلاڑی بھی تھے۔ تحصیل علم کے بعد درس وتدریس کو بطور پیشہ اختیار کیا لہٰذا بقول نورالہدی انہوں نے سب سے پہلے مدرسہ عالیہ میں مدرسی کی لیکن اپنے والد محترم کے حکم کے پیش نظر مدرسہ عالیہ کی مدرسی ترک کر کے مولا علی مسجد کی امامت اور ملحق مدرسہ میں درس وتدریس سے وابستہ ہو گئے۔ آگے چل کر قاری صاحب نے اس مدرسہ کی ترقی کا رخ موڑ دیا اور 'باب العلوم' کے نام سے اس کی توسیعی بنیاد ڈالی جو آج بہت برگ و بار لا رہا ہے۔ اس طرح وہ باب العلوم کے بانی اور سرپرست ہوئے اور جب تک صحت وتندرستی نے ساتھ دیا وہ مولا علی مسجد کی امامت وخطابت اور مدرسہ کی مدرسی سے وابستہ رہے۔ یہ قاری اسماعیل ظفر کی خوش بختی اور سعادتمندی کا ثمرہ ہے کہ ان کی نیک اولادوں پر مشتمل ان کا خانوادہ بھی زیور علم سے آراستہ ہے جن میں ان کے فرزند رشید اکبر ڈاکٹر مولانا صباح اسماعیل ندوی (علیگ) نے اپنے والد بزرگوار کی حیات ہی

میں عربی و انگریزی تعلیم کے لئے باب العلوم میں مزید شعبہ جات قائم کر کے جبریل انٹر نیشنل اسکول کے نام سے ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا جس کے وہ خود ڈائرکٹر ہے۔ یہ ادارہ بھی بلا شبہ بین الاقوامی شہرت کا حامل قرار پا کر ملت کے بچے اور بچیوں کی عظیم خدمات انجام دے رہا ہے جو ایک طرح سے مرحوم قاری اسماعیل ظفر کے حق میں صدقہ جاریہ ہے۔ وہ ملت کے لئے ایک اثاثہ تھے بہترے تعلیمی، ادبی، فلاحی اور ثقافتی اداروں سے وہ وابستہ بھی تھے۔ مدرسہ باب العلوم کے بانی و ناظم اعلیٰ، نگران اعلیٰ جبریل انٹرنیشنل اسکول، سر پرست دی ایسٹرن پوسٹ، انگریزی ہفتہ وار، سر پرست اے ہینڈ، مجلس شوری ندوۃ العلماء، لکھنو، صدر عالمی رابطہ ادب اسلامی کلکتہ اور ممبر مسلم انسٹی ٹیوٹ کلکتہ وغیرہ جیسے اداروں سے ان کی وابستگی اس امر کا بین ثبوت ہے کہ قومی وملی، تعلیمی وثقافتی اور ادبی وفلاحی کاموں سے ان کی غیر معمولی دلچسپیاں اور ذوق وشوق نیز ان کی خدمات نے انہیں ہر شعبہ زندگی میں مقرر اور مقبول بنا دیا تھا۔ حیف صد حیف یہ ملی اور دینی اثاثہ ہم سے ہمیشہ کیلئے چھن گیا اور قاری اسماعیل ظفر زندگی کی 75 بہاریں دکھا کر 16 رمضان المبارک 1445ھ مطابق 27 مارچ 2024ء کو اس دار فانی سے دار البقا کی طرف کوچ کر گئے۔

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

حافظ وقاری محمد اسماعیل ظفر کا تعلق دینی و مذہبی گھرانے سے تھا اور وہ شخصاً بھی دینی مزاج کے حامل اور مذہبی و علمی حلقوں میں امام وخطیب اور واعظ و مبلغ کی حیثیت سے متعارف تھے مگر ایک شاعر کی حیثیت سے وہ عمومی طور پر گمنام تھے اس کا خاص سبب یہی ہوسکتا ہے کہ انہوں نے کبھی عوامی مشاعروں میں شرکت نہیں کی اور نہ روزناموں میں اپنا کلام شائع کرواتے تھے لیکن شاعری ان کی فطرت میں رچی بسی تھی اور محض قوم کی اصلاح

کی خاطر اور زمانے کے نشیب و فراز اور ناہمواریوں سے پیش نظر شاعری کو انہوں نے وسیلہ بنایا اور قرآن کو رہنما بنا کر اپنے خیالات کو شعری پیکر میں ڈھالنے لگے۔ چنانچہ ان کا شعری مجموعہ بعنوان ــــ"اندھیروں نے مات کھائی ہے ــــ"2013ء میں منظر عام پر آیا۔ یہ 280 صفحات پر محیط حمد، مناجات، نعت، غزل، نظم اور قطعات پر مشتمل ہے۔ قبل ازیں قاری ظفر کی شعر گوئی پر مختلف ارباب ادب کے تاثرات ہیں۔ اصناف کلام کے اندراج سے پہلے صفحہ 2 پر یہ رباعی درج ہے

کہیں یہ فکر جدید و قدیم پہنچی ہے
کہیں یہ صورت لعین و رجیم پہنچی ہے
وہاں وہاں پہ اندھیروں نے مات کھائی ہے
جہاں جہاں یہ کتاب حکیم پہنچی ہے

رباعی کے تیسرے مصرعہ کو مجموعہ کا نام دیا گیا ہے جس سے یہ ظاہر ہے کہ دنیا میں جہاں جہاں بھی کفر و ظلمات کا بسیرا رہا ہے اور حق و باطل کی معرکہ آرائی کے ساتھ ساتھ مشرقی و مغربی افکار کے باہمی تصادم بھی گل کھلاتے رہتے ہیں وہاں وہاں یہی کتاب ہدایت و حکمت، روشن و منور ہو کر اپنا عکس باطل افکار و نظریات پر بکھیرتی رہی ہے۔

جس کے سبب جاء الحق وزھق الباطل کی صدا شش جہت جہاں میں گونج اٹھی۔ اسی کتاب حکیم سے روشنی پا کر اپنے اس شعری مجموعہ میں قاری اسماعیل ظفر نے اپنے خیالات کی بھرپور عکاسی کی ہے وہ خود رقم طراز ہیں:

ــــ"اندھیروں نے مات کھائی ہے، میری کتاب ہی کا عنوان نہیں میری زندگی کا عنوان بھی ہے.... قرآن نور مبین ہے یہ روشن کتاب جہاں بھی رہتی ہے اپنے گرد و پیش

کو روشن و منور رکھتی ہے میری خوش نصیبی یہ ہے کہ میں ہمیشہ اس سے وابستہ رہا ہوں اور یہی وہ نسبت ہے جس نے مجھے ہمیشہ حزن و ملال اور خوف وہراس سے دور رکھا ہے۔ میرا مجموعہ کلام پڑھنے والے اس حقیقت کو جا بجا محسوس کریں گے۔ اگر یہ خیال درست ہے کہ شاعری انسان کی ذاتی زندگی کی عکاسی کرتی ہے تو میری شاعری بھی اس سچائی کی گواہی دیتی نظر آئے گی۔“

اب جستہ جستہ ان کے اشعار حوالہ سطر ہیں جن سے ان کی شاعری کی حقیقت خود بخود واضح ہوتی جائے گی۔ سب سے پہلے حمد کا یہ شعر دیکھیں جس میں اہل دنیا کی اپنے خالق و مالک اور پروردگار سے خودسری، بغاوت، نافرمانی اور بیزاری کا اظہار ہے جبکہ اس کے برعکس پالنہار کا اپنے نافرمان بندوں پر رحم و کرم اور عنایت کی بارش ہے یہ ہے اعلیٰ ظرفی کی غیر معمولی مثال۔

سب سے بڑا خودسر عاصی میں پھر بھی مجھ پر پیار کی بارش یہ تو اعلیٰ ظرف ہے تیرا نظر عنایت کرتا ہے تو۔ اب دیکھئے آج کی بگڑی ہوئی نسل سے شاعر کس قدر متاثر ہے کہ وہ خدا سے ان کی اصلاح کا طالب ہے اور یہ مناجات بارگاہ الٰہی میں پیش کر رہا ہے

میری دعا نہیں ہے کہ مال و منال دے
مولا! تو میری نسل کو لیکن سنبھال دے

اب محبوب خدا حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و جلالت، ان کی شفقت و رحمت اور ان کی فضلیت و مرتبت عالی سے متعلق یہ دو توصیفی شعر ملاخطہ ہو۔

دو عالم پر جو رحمت بن کے برسے، وہ گھٹا تم ہو
جو رشک کا ماہ و انجم ہے، وہ تابندہ ضیا تم ہو

خلیل اللہ ، روح اللہ تو کوئی ہے کلیم اللہ
نبی سب مقتدی ، لیکن امام الا نبیا ءتم ہو

زیر نظر مجموعہ میں تقریباً100 غزلیں ہیں جو پاکیزہ بیانی پر مبنی ہیں ان سے تصوف، عشق و عاشقی، الفت ومحبت اور سماجی نشیب وفراز، ناہمواریاں اور موجودہ معاشرتی احوال کی عکاسی ہوتی ہے۔تصوف کا یہ شعر دیکھئے جس کے دل میں یادِ خدا موجزن ہو اسے پل بھر بھی چین نہیں۔

نہ جانے کون ہے جس کا ہے انتظار مجھے
کسی بھی پہلو نہ ملتا ہے اب قرار مجھے

ایک سچا عاشق شبِ فراق کی طوالت سے گھبراتا نہیں وہ تو صرف یادِ محبوب میں کھویا رہنا چاہتا ہے مگر اسے یہ گوارا نہیں کہ صرف شبِ فراق کی تنہائی اسے نصیب ہو اور محبوب کی یاد اس سے چھن جائے۔وہ کہتا ہے

طولِ شب فراق رہے اتنا بس خیال
یادوں کو اس کی چھین کے تنہائیاں نہ دے

کوئی بھی عاشق صادق ہو وہ محبوب کے بغیر جنت میں رہنا گوارا نہیں کرتا۔جنت کا لطف تو اسی وقت ہے جب محبوب بھی اس کے جنت مکیں ہو۔روز آخرت جنتیوں سے خدا جب پوچھے گا کہ میرے نیک بندو! اب تمہیں کس چیز کی ضرورت ہے تو جنتی یہی کہیں گے کہ اے خدا ہم سب کو اپنا دیدار کرادے اس لئے کہ بغیر تیرے دیدار کے جنت کا کوئی لطف نہیں۔یہ شعر دیکھیں۔

نہ ہو گرم تم تو پھر کوئی نگر اچھا نہیں لگتا
تمہارا شہر جنت ہے مگر اچھا نہیں لگتا

کوئی دوست اگر اپنے دوست سے بے وفائی، کج ادائی اور بے رخی برتے اور اس کا یہ رویہ دشمن جیسا ہوتا ہم دوست کے ان منفی اقدار سے وہ مایوس اور افسردہ نہیں ہوتا اور ایسے عالم میں بھی مسکرا کر جینے کی تمنا کرتا ہے اور دوست کے منفی رویے کے برعکس وہ مثبت رویہ اختیار کتا ہے۔ یہ ایک عاشق صادق اور سچے دوست کی پہچان ہے یہ شعر دیکھیں۔

بے وفائی، کج ادائی، بے رخی جیسی بھی ہو
مسکرا کر جی ہی لوں گا دشمنی جیسی بھی ہو

شکوہ وشکایت شاعر کا شیوا نہیں وہ سچی وفاداری اور دوستی کا ثبوت پیش کرتا ہے۔ کسی سے دوستی کرنے سے پہلے اسے اچھی طرح ٹھونک بجالینا چاہئے۔ کتنے لطیف جذبات اور احساسات کا سمندر اس شعر میں موجود ہے۔

اے دوست! نہیں تجھ سے مجھے کوئی شکایت
خود سے یہ گلہ ہے تجھے پڑھ کر نہیں دیکھا

اس شعر کا کینوس بہت وسیع ہے اور کسی سے بھی کوئی معاملہ کرنے سے قبل اسے اچھی طرح پرکھ لینا چاہئے تا کہ خجالت وشرمندگی کا باعث نہ ہو۔ اسی سے متشابہ یہ شعر بھی ملاحظہ ہو:

اہلِ دانش کی قیادت نے تو لوٹا ہے ظفر
اب مصلی کسی امی کو بڑھایا جائے

کون نہیں جانتا کہ ساری دنیا میں حق کا انقلاب ایک امی ہی نے برپا کیا تھا اور آج سارا عالم اسلام اسی کے نقش قدم کا پیرو ہے۔ جتنے باطل افکار ونظریات کے علمبردار اور

اہل دانش تھے سب اس کے سرنگوں ہو گئے۔ مگر شاعر نے آج کے موجودہ نام نہاد اور عیش کوش رہنمایان وعلمبردان قوم وملت کے ان اہل دانش وبینش پر تیشہ چلایا ہے جن کے کارنامے بے سود اور ضرر رساں نہیں ہے اور جن سے فلاح کی کوئی توقع نہیں کی جاسکتی لہٰذا اب ایسی قیادت کی ضرورت ہے جو بے لوث، بے غرض، نام ونمود سے بے نیاز اور مخلص ہو تا کہ اس کی رہبری میں قوم وملت ہر شعبہ حیات میں ترقی کے زینے طے کر سکے۔

اب ایسے اشعار زیر بحث ہیں جو سماجی و معاشرتی نشیب و فراز اور ناہمواریوں کی عکاس ہیں۔

میں کسی کو دھوپ کہوں، کسی کو چاندنی سمجھوں
ہر ایک شخص کو ملتا ہے مہرباں کی طرح
حجاب لاکھ رکاوٹ سہی مگر سن لو
تمام فتنہ و شر کا یہی جواب تو ہے
گھر کسی کا اجاڑے تو راون لگے
اور بسائے تو پھر دیوتا زندگی
رام کے نام پہ راون کی حکومت کیسی
کب تلک دیش میں اس طرح تماشا ہوگا
جب قلم تجھ سے کہے دیش کے حالات لکھو
دیش بھگتوں کا ہے یہ خواب شکستہ لکھنا
ہو گئی شام ، کبھی یہ نہیں لکھنا ہرگز
ہونے والی ہے نئی صبح یہ جملہ لکھنا

پہلے شعر میں ایک ایسے شخص کی تصویر کشی کی گئی ہے جو بناوٹی دوست نظر آتا ہے۔ جبکہ وہ اندر سے دشمنی کا مظاہرہ کر رہا ہوتا ہے۔ دوسرے شعر میں حجاب کی افادیت پر روشنی ڈالی گئی ہے جس کے متعلق آج یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے جبکہ یہ روشن خیالوں اور ترقی پسندوں کا فرضی تصور ہے جبکہ حجاب عورت کی حفاظت اور عصمت کا ضامن ہے۔ تیسرے شعر میں آج کے بلڈوزر کلچر کو ایشو بنایا گیا ہے اور سرکاری سطح پر کسی مجرم کو سزا دینے کے بجائے اس کے گھروں پر بلڈوزر چلا رہے گھر سے بے گھر کر دیا جا رہا ہے اور یہ ناروا ظلم وستم راون جیسا ہے آج یہی دیش کے حالات ہیں کہ خود نام نہاد سرکاری اور غیر سرکاری دیش جو غیر منصفانہ عمل انجام دے رہے ہیں کہ صحیح معنوں میں انہیں دیش بھگت کہنا خواب شکستہ سے کم نہیں۔ کاش ایسے دیش بھگت لوگ بلا امتیاز مذہب وملت شہریوں کے لئے راحت رسانی کا کام کرتے تو وہ دیوتا کہلاتے۔ تاہم شاعر ان حالات سے نہ تو کبیدہ خاطر اور مایوس ہے بلکہ وہ بہتر سے بہتر حالات کا امیدوار ہے جیسا کہ اخیر شعر سے ظاہر ہے۔ مزید کچھ اسی نوعیت کے اشعار ملاحظہ ہوں۔

اس دیش کی جنتا کا کیا حال بھلا ہوگا
محفوظ نہیں جس میں رب کا بھی ٹھکانا ہے

اک حشر سا برپا ہے ملت کے مسائل پر
نیتاؤں کا کہنا ہے، موسم یہ سہانا ہے

دہشت پسند فکر ہماری ہے یا نہیں
آزاد سے، حمید سے، ہند ایوبی سے پوچھ

اردو ہے اس دیار کی یا اس دیار کی

منشی پریم چند و فراق و ولی سے پوچھ
ہمیشہ چاند ستاروں کی بات ہوتی ہے
کبھی جو ہو سکے اپنی زمیں کی بات کرو

انسان جو خدا کا مخلوق اور اس کا خلیفۃ ہے اس کا حال آج دگرگوں ہے جس کے سبب یہ ہے کہ خدا سے بے نیازی اور بیزاری اس کے ہر کردار سے ظاہر ہے۔ جس دل میں خالق کا تصور اور تذکر ہونی چاہئے اس میں معبودانِ باطل کا ٹھکانا ہے نتیجتاً زندگی کے طرح طرح کے مسائل سے وہ دو چار ہے اور اس سے سیاسی نیتاؤں اور موسمی ہمدردوں کی بن آئی ہے تا کہ وہ ان مسائل کی آڑ میں جنتا سے اپنے حق میں ووٹ مانگ کر ان کے مسائل کے حل کے جھوٹے وعدے کر کے حکومت کی کرسی پر پہنچ کر خوب گل چھرے اڑائیں۔ ایسے ہی نیتاؤں نے مسلمانوں کو دہشت گرد بھی بنا کر رکھ دیا ہے مگر آزادی وطن کی خاطر مسلمانانِ ہند کی جو قربانیاں ہیں وہ ان فرقہ پرست اور معتصب نیتاؤں کی نظروں سے اوجھل سے جبھی تو شاعر نے انہیں للکارا ہے اور انہیں اپنی قربانیوں کی طرف یہ توجہ دلائی ہے کہ مولانا آزاد عبد الحمید اور خواجہ ہند الولی جیسے اشخاص نے ملک کی خاطر قربانیاں پیش کیں کیا یہ مجاہدین آزادی دہشت گرد تھے یا محب وطن۔ اسی طرح اردو زبان کو بھی غیر ملکی قرار دیکر اسے صرف مسلمانوں کی زبان قرار دی جاتی ہے اور سے انتہائی تعصب برتا جاتا ہے مگر یہاں بھی شاعر ان فرقہ پرستوں کو یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ اردو غیر ملکی نہیں بلکہ ہندستانی زبان ہے جو پہلے پلی بڑھی اور نشونما پائی اور جس کا چشم کشا ثبوت منشی پریم چند، فراق گورکھپوری اور ولی دکنی ہیں جو سبھی اسی کلب کے باشندہ اور اردو کے پرستار، شاعر اور ادیب تھے۔ اخیر میں شاعر نے یہ توجہ طلب مسئلہ بھی اٹھایا ہے کہ چاند ستاروں

پر کمندیں، پھینکنے سے بہتر ہے کہ زمین کے باشیوں کی خبر گیری کی جائے اور ان کے لئے راحت رسانی کا سامان فراہم کیا جائے۔ اتحاد و اتفاق پر یہ شعر دیکھیں:

دوستو! وقت کا تقاضا ہے
اختلافات طاق پر رکھئے

ملک میں امن و امان کی تباہی اور دنگا و فساد کے تعلق سے یہ شعر ملاحظہ ہو:

موسم ہمارے ملک میں دنگا فساد کا
ہر سال آتا رہتا ہے تیوہار کی طرح

دورِ تمدن میں بھی قتل و خونریزی پر شاعر کا دل یوں کڑھتا ہے:

چلو یہ دور تمدن ہے، میں نے مان لیا
لہو کسی کا کوئی پھر بہائے کیا معنی

آج سائنس اور ٹکنالوجی کے دور میں بھی کسی نہ کسی بہانے لڑکیوں کا گلا گھونٹا جاتا ہے اور نئی نویلی دلہنیں جہیز کی بھینٹ چڑھائی جاتی ہیں۔ چند شعر حوالہ سطر ہیں۔

مری بیٹی کی مہندی سوکھ بھی جائے تو کیا غم ہے
وہ جائے اک ہوس والے کے گھر اچھا نہیں لگتا
اک باپ نے بیٹی کے جنم پر یہ کہا ہے
گردن پہ لٹکتی ہوئی تلوار لگے ہے
کسی مفلس کی بیٹی جس گھڑی جاتی ہے ڈولی میں
مجھے بیٹی کی وہ ٹھنڈی چتا محسوس ہوتی ہے

الغرض قاری ظفر کی شاعری کا مجموعہ اک صحیفہ حیات ہے اس میں ہر طرح کے

گونا گوں مسائل کا تذکرہ ہے۔ زندگی کے سبھی نشیب و فراز اور ناہمواریوں کا ذکر ہے۔ اخلاقی، تعمیری، اصلاحی، دینی، علمی و سائنسی و مذہبی، مضامین پر مبنی ایک جامع کتاب ہے۔ سیاسی، تمدن، تہذیبی اور ثقافتی امور بھی اس میں زیر بحث ہیں۔ میرے مطالعے کے حد تک زندگی کا کوئی عنوان اور مسئلہ ایسا نہیں ہے جو چھو کر نہ گیا ہو۔ شاعر کے لب و لہجے میں کہیں شدت جذبات ہے تو کہیں لطیفے پیرائے اور نرم و سست رویہ بھی اختیار کیا گیا ہے۔ کہیں طنز کے نشتر و تیر پھینکے گئے ہیں تو کہیں جذبات کو قابو میں رکھ کر گفتگو کی گئی ہے۔ پرواز تخیل کا کیا کہنا۔ قدیم و جدید اسلوب کو موقع و محل کی مناسبت سے اختیار کیا گیا ہے۔ جذبات میں روانی ہے۔ تشبیہات و استعارات اور کنائے و اشاروں کا بھی برمحل استعمال ہے سب سے اہم وصف اور خوبی یہ ہے کہ ان کے کلام میں انفرادیت اور جاذبیت بھی ہے اگر کوئی اس کا مطالعہ کرنا چاہے تو جگہ بجگہ ٹھہر کر وہ شعری معنویت اور گہرائی و گیری کے سمندر میں غوطہ زن ہونے لگے گا۔ اس میں جتنے اصنافِ سخن پر اشعار ملتے ہیں سبھی انفرادیت اور خصائص کے حامل ہیں۔ اندھیروں نے مات کھائی ہے جیسے عنوان سے ظاہر ہے کہ ظفر نے اپنی سخنوری کے تانے بانے کا قرآن کی روشنی میں بنے ہیں اور اسی کی بدولت انہیں دنیا کی ہر شے میسر ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں :

ظفر کے پاس تو کچھ بھی نہیں لیکن جو قرآں ہے۔
غنیمت ہے غنیمت ہے غنیمت ہی غنیمت ہے

قاری محمد اسماعیل ظفرؒ

علم، سخن اور خدمتِ دین کا درخشاں چراغ

فیروز انجم

قاری محمد ظفر اسماعیل بلاشبہ ایک باوقار، دیندار اور خالص کردار کے حامل انسان تھے۔ ان کی اخلاص و عظمت کا بیان محض الفاظ میں ممکن نہیں کیونکہ سچائی کسی مبالغے کی محتاج نہیں ہوتی۔ کسی شخصیت کی رفعت کا اندازہ صرف اس کی دور دراز شہرت سے نہیں بلکہ اس بات سے بھی لگایا جاتا ہے کہ اس کے اپنے گھر، محلے اور شہر میں اسے کس احترام و عقیدت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ وہ انمول نعمت ہے جو ہر کسی کے نصیب میں نہیں آتی اور جسے ربِ کائنات خاص بندوں کو ہی عطا کرتا ہے۔

قاری محمد ظفر اسماعیل نے اپنی جوانی سے لے کر عمر کے آخری ایام تک خالق اور مخلوق دونوں کے حقوق کی ادائیگی میں غیر معمولی توازن رکھا۔ ان کی زندگی دوسروں کے لئے ایک مشعل راہ ہے۔ دین کی ترویج و اشاعت میں سرگرم رہنے کے باوجود انہوں نے اپنی

گھریلو زندگی کو کبھی متاثر نہیں ہونے دیا۔

ان کی ایک کتاب ــ"اندھیروں نے مات کھائی ہے ــ" ان کی جدوجہد اور استقامت کی آئینہ دار ہے۔ اس عنوان پر غور کریں تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنی عملی زندگی میں کسی بھی مصیبت یا پریشانی کو خود پر حاوی نہیں ہونے دیا۔ وہ تاریکیوں سے گزرتے ہوئے روشنی کی طرف بڑھتے رہے۔ جب انسان سچے عزم و ارادے کے ساتھ آگے بڑھتا ہے تو اللہ کی غیبی مدد ایک مقناطیس کی مانند اسے سہارا دیتی ہے، رکاوٹوں کو آسان بنا دیتی ہے اور بالآخر وہ اپنی منزلِ مقصود کو پالیتا ہے۔

مرحوم کی کتاب میں ان ہی کا ایک شعر نظر سے گزرا:

خدائے اکرم و ارحم کا مجھ پہ احساں ہے
ظفر کو جس نے نبی سے ملا دیا لوگو!

اگر اس شعر کی تشریح کی جائے تو یہ مرحوم کی زندگی پر صد فیصد صادق آتا ہے۔ قاری محمد اسماعیل ظفر نے نہ صرف اللہ اور اس کے رسول کی محبت کو اپنی ذات میں سمولیا، بلکہ عملی طور پر بھی سنتِ نبوی کو اپنی زندگی کا حصہ بنایا۔ دین کی خدمت انہوں نے محض زبانی دعوؤں تک محدود نہ رکھی بلکہ اپنی جان، مال اور وجود کے ہر ذرّے کے ساتھ اس میں حصہ لیا۔

یہی جذبہ تھا جو اس مردِ دانا نے اپنے بیٹوں میں منتقل کیا، ایک ایسا جذبہ جو مشن کی تپش سے کندن ہو چکا تھا، ایک ایسا چراغ جس کی لو مدھم ہونے کے بجائے ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اور زیادہ روشن ہوتی گئی۔ والد کے زیرِ سایہ پروان چڑھنے والے صباح اسماعیل اور ان کے بھائیوں نے نہ صرف اپنے والد کی اطاعت و فرمانبرداری کا حق ادا کیا بلکہ ان

کے خواب کو حقیقت میں ڈھالنے کے لئے اپنی تمام تر توانائیاں وقف کر دیں۔ ان کا عزم ہے کہ علم کی وہ شمع، جو ان کے والد نے جلائی تھی، صدیوں تک روشن رہے، ان کا نصب العین ہے کہ دین کی سربلندی کا وہ پرچم جو ان کے والد نے بلند کیا تھا، کبھی سرنگوں نہ ہو۔ آج وہ ایک ایسے ورثے کا امین ہیں جسے فنا کا کوئی اندیشہ نہیں، ایک ایسی امانت کا نگہبان بن چکے ہیں جسے تا قیامت سلامت رہنا ہے اور یہی خواب تھا جسے انہوں نے جبریل انٹرنیشنل اسکول کی صورت میں تعبیر دی۔

آج جبریل انٹرنیشنل اسکول محض ایک تعلیمی ادارہ نہیں بلکہ ایک ایسی درسگاہ بن چکا ہے جہاں الفاظ کی حرمت، اقدار کی پاسداری اور علم کی تقدیس کو اولیت حاصل ہے۔ یہاں ذہنوں کی زمینوں میں وہ بیج بوئے جاتے ہیں جن سے اخلاص، دیانت، ایثار اور علم کی بلند ترین شاخیں پھوٹتی ہیں۔ یہاں تعلیم صرف کتابوں کے اوراق میں قید الفاظ کی پہچان تک محدود نہیں بلکہ کردار سازی کا ایک ایسا مسلسل عمل ہے جو روحوں کو جلا بخشتا، ذہنوں کو جِلا دیتا اور قلوب کو ایمان و یقین کی روشنی سے منور کر دیتا ہے۔ یہاں ہر سال وہ معصوم کلیاں کھلتی ہیں جو قرآن کریم کو اپنے سینوں میں محفوظ کر کے نکلتی ہیں، وہ نوخیز شاخیں تناور درخت بننے کے لئے زمین علم میں جڑ پکڑتی ہیں، وہ ننھے چراغ ہیں جو اپنی روشنی سے نہ صرف اپنی ذات کو بلکہ اپنی نسلوں کو بھی منور کرنے کے لئے سفر کا آغاز کرتے ہیں۔

میری قاری محمد ظفر اسماعیل صاحب سے شناسائی 1982 میں اخبار مشرق کے دفتر میں ہوئی۔ اس وقت ادارتی امور کی اصلاح و ترتیب جناب احسن مفتاحی صاحب کے ذمے تھی جو روزانہ شائع ہونے والے مضامین، مراسلات اور ملی خبروں کی نوک پلک سنوارنے

کے بعد انہیں میرے حوالے کر دیتے۔ میرا معمول تھا کہ ان تحریروں کو کاتبوں کے سپرد کرتا جہاں وہ ہاتھ سے لکھی جاتیں، پھر ان کی کاپی جوڑی جاتی اور یوں مراحل طے کرتے ہوئے وہ پلیٹ کی شکل میں چھپائی کے لئے پریس میں پہنچ جاتیں۔ اس دور میں پرنٹنگ کا عمل نہایت محنت طلب تھا۔ اخبار کے صفحات پہلے ایک طرف چھپتے پھر دوبارہ مشین پر رکھ کر دوسری جانب کی طباعت کی جاتی۔ اس وقت کے اخبارات عموماً چار یا چھ صفحات پر مشتمل ہوتے تھے جن کی تیاری کے لئے صبح دس بجے سے رات گیارہ بجے تک سرگرمیاں جاری رہتیں۔

اخبار مشرق کے ادارتی شعبے سے اس دور میں کئی نامور شخصیات وابستہ تھیں جن میں جناب جاوید نہال جناب، راقم لکھنوی، جناب سلمان خورشید، جناب سجاد نظر، جناب عبدالسلام عاصم، جناب سلطان شاہد، جناب راز عظیم آبادی، جناب محمد سمیع اللہ، جناب انجم عظیم آبادی، جناب عبدالمالک انکے علاوہ اور بھی شخصیات شامل ہیں۔ تب کمپیوٹر کا رواج نہیں تھا اور ڈاک کے ذریعے تخلیقات کے دفتر تک پہنچنے میں ہفتوں لگ جاتے۔ جو لوگ کلکتہ اور اس کے نواح میں مقیم تھے وہ خود اپنی تحریریں لے کر دفتر آتے۔ چونکہ تمام مضامین اور مراسلات کی جانچ جناب احسن مفتاحی صاحب کے ذمے تھی اس لئے اکثر اہلِ قلم کی ملاقات ان ہی سے ہوتی۔

ان ہی ملنے جلنے والوں میں جناب سید علی، جناب عبدالعزیز اور جناب قاری محمد ظفر اسماعیل بھی شامل تھے۔ جب میں مفتاحی صاحب کے کمرے میں اصلاح شدہ تحریریں لینے جاتا تو اکثر قاری صاحب اور جناب سید علی سے ملاقات ہو جاتی۔ یہ سلسلہ برسوں یوں ہی چلتا رہا۔ قاری صاحب نے اپنے لختِ جگر جناب صباح اسماعیل کو بھی مفتاحی

صاحب سے متعارف کرایا۔ مفتاحی صاحب کی خوبی یہ تھی کہ باصلاحیت افراد کی قدر کرتے اوران کی تخلیقات کونمایاں حیثیت دے کراخبار میں شائع کرتے۔

وقت کا پہیہ گھومتا رہا۔ پرانے لوگ ایک ایک کر کے رخصت ہوتے گئے۔ کچھ دفتر سے جدا ہوئے اور کچھ ہمیشہ کے لئے ابدی نیند سو گئے۔ ساتھ ہی پرنٹنگ کی دنیا میں جدید ٹیکنالوجی نے جگہ لے لی۔ وہی اخبار جس کے چند صفحات کی تیاری میں کبھی سارا دن لگتا تھا اب چند گھنٹوں میں مکمل ہونے لگا۔

مفتاحی صاحب کے گزر جانے کے بعد قاری صاحب کا دفتر آنا کم ہو گیا لیکن جب بھی آتے مجھ سے ضرور ملاقات کرتے۔ کبھی کبھی صبح سویرے، جب ان کی صحت اچھی ہوتی، پریس کے قریب آمنا سامنا ہو جاتا۔ اس وقت جناب امامِ اعظم مرحوم کے ہمراہ قاری صاحب چائے نوشی فرما رہے ہوتے اور جوں ہی ان کی نظر مجھ پر پڑتی وہ زبردستی مجھے بھی اس محفل میں شامل کر لیتے۔ گفتگو کے دوران جہاں وہ اپنے لختِ جگر صباح اسماعیل کی صلاحیتوں کا ذکر محبت سے کرتے وہیں مرحوم احسن مفتاحی صاحب کی یادوں کو بھی تازہ کرنا نہ بھولتے۔ ان کی باتوں میں اخلاص کی خوشبو ہوتی اور ماضی کی یہ پرتیں ایک ایسے عہد کا عکس پیش کرتیں جو رفتہ رفتہ وقت کی گہرائیوں میں اتر چکا تھا مگر ان کی یادوں میں ہمیشہ روشن رہا۔

شعر وشاعری :ایک نظر

ادب کے فلک پر جب سخن کا ماہتاب اپنی روشنی بکھیرتا ہے تو بطور خاص صنف غزل ایک ایسی چاندنی بن جاتی ہے جس کے سامنے تاریکیوں کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ نظم کے مقابلے میں غزل وہ واحد صنف ہے جو ــــ "شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے

تک ــــ" کے مصداق شاعر کے مشاہدات، محسوسات اور تجربات کو مختلف زاویوں سے جائزہ لیتے ہوئے ہر شعر میں ایک نیا رنگ، ایک نیا پیغام اور ایک منفرد احساس سمونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ یہی وہ خوبی ہے جو اسے دیگر اصناف سے ممتاز اور محبوب بناتی ہے۔ کیونکہ غزل کے موضوعات کسی ایک وحدت میں قید نہیں ہوتے بلکہ ہر شعر اپنی الگ جہت اور معنویت کے ساتھ مکمل ہوتا ہے۔ غزل نے ہر دور میں اپنی فکری اور فنی جلوہ گری سے مختلف ادبی مکاتب فکر پر اپنے اثرات ثبت کئے۔ کبھی اس نے ادب برائے ادب کے نظریے کو اپنایا، کبھی ادب برائے زندگی کی روشنی میں اپنی معنویت کو اجاگر کیا اور کبھی جدیدیت کی چادر اوڑھ کر اپنے عصری تقاضوں کا پتہ دیا۔ مگر ان سب رجحانات سے ہٹ کر شاعری کا ایک ایسا دبستان ہمیشہ موجود رہا جس نے ادب اسلامی کی روشنی میں سخن کو محض تفنن طبع یا جمالیاتی حظ تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے اصلاح معاشرہ کا ایک وسیلہ بنایا۔

ایسے شعراء کی غزلیں محض الفاظ کی رنگینی نہیں بلکہ قرآنی تعلیمات اور حدیث نبوی کی روشنی میں رشد و ہدایت کا چراغ ثابت ہوئیں۔ ان کے اشعار میں وہ سچائیاں رچی بسی ہوتی ہیں جو دلوں کو جھنجھوڑتی اور روحوں کو بیدار کرتی ہیں۔ گویا ان کی شاعری فن کے ساتھ ساتھ مقصدیت کی آبیاری بھی کرتی ہے اور یوں سخن کے دامن میں پیغام اور پیغام کے سینے میں روشنی بھر دیتی ہے۔

جناب قاری اسماعیل ظفر کی حیات مستعار مدرسہ باب العلوم کے سایے تلے بسر ہوئی جہاں ان کا ہر لمحہ اشاعت دین اور فروغ علم کے لئے وقف رہا۔ لیکن وہ محض معلم دین ہی نہ تھے، ان کا تعلق ادب اسلامی سے بھی گہرا تھا اور یہی وابستگی ان کے کلام میں ایک منفرد

آہنگ کی صورت جلوہ گر ہوئی۔ غزل ہو نظم ہو یا قطعہ، ہر صنف میں ان کی شاعری فکری بالیدگی، ایمانی حرارت اور ایک رجائیت پسند پیغام کا پرتو ہے۔ ان کے اشعار میں الفاظ محض صوتی تاثر کے لئے نہیں برتے گئے بلکہ وہ فکر و نظر کی ایسی جوت جگاتے ہیں جو قاری کے شعور کو مہمیز دیتی ہے :

ہو چکا ظلم کا شکوہ کسی بے بس کی طرح
اب مجاہد کی طرح شان سے جینا ہوگا

ہے مومن وہ، مجدد الف ثانی کی طرح سے جو
حریفانِ خدا سے برسر پیکار ہو جائے

یہی مفہوم و مقصد ہے اذانوں کے تسلسل کا
کہ باطل کو اب غفلت میں ہو، حق بیدار ہو جائے

ہو زادراہ جس کی جہدِ پیہم اور عمل محکم
کسی بھی مرحلے میں اس کو دشواری نہیں ہوتی

یہ محض شاعری نہیں بلکہ ایک عظیم فکری روایت کا تسلسل ہے جو ادب کو اصلاح معاشرہ کا وسیلہ بناتی ہے۔ روایتی شاعری کے بعد جب ترقی پسند شعرا نے ادب برائے زندگی کا نعرہ بلند کیا تو سخن میں ایک نئی جولانی پیدا ہوئی۔ تاہم اس رجحان کی کوکھ سے وہ نعرہ باز شاعری بھی جنم لینے لگی جو وقتی جوش و جذبے میں تو مقبول ہوئی مگر دیرپا اثرات

چھوڑنے میں ناکام رہی۔

قاری اسماعیل ظفر نے اس ہنگامہ خیز روش سے خود کو الگ رکھا۔ وہ روایتی شاعری کے دامن سے وابستہ تو رہے لیکن گل وبلبل، زلف ورخسار کی شاعری کو اپنی فکر کا محور نہ بنایا۔ ان کے سخن میں عشق کا تصور تھا مگر وہ عشق جو خدا اور رسول کی محبت میں ڈھل کر ایمان و یقین کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ یہ عشق وہ نہیں جو محض حسن پرستی کا استعارہ بنے بلکہ وہ جو عشق حقیقی کی راہ دکھاتا ہے، جہاں دل فنا ہو کر بقا پاتا ہے۔ یہی کیفیت ان کے درج ذیل اشعار میں نمایاں ہے:

سنبھل سنبھل کے ذرا دل کا معاملہ کر
جو ہو سکے تو یہاں اس کا کاروبار نہ کر

ہزار بات کی اک بات تجھ سے کہتا ہوں
سوائے رب کے کسی پر بھی انحصار نہ کر

جو آج تک مجھے دیتا رہا، خدا ہے مرا
مجھے یقین ہے کل بھی وہی خدا دے گا

جناب قاری اسماعیل ظفرؒ کا کلام محض الفاظ کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک پیغام ہے۔ ایسا پیغام جو عقیدے کی روشنی میں شعور کو بیدار کرتا، یقین کی لو کو تیز کرتا اور انسان کو اس کے اصل مقام سے روشناس کراتا ہے۔ ان کے اشعار میں دینی بصیرت اور روحانی وجدان کا جو امتزاج ہے وہ انہیں محض ایک شاعر نہیں بلکہ حقیقت ازلی کے نقیب کی حیثیت عطا

کرتا ہے۔

جناب اسماعیل ظفر کی شاعری کا محور اگرچہ دین و اسلام اخلاق و اطوار اور اسلامی تہذیب کی عکاسی ہے لیکن ان کی طبیعت کا جمالیاتی پہلو کبھی کبھار حسن تغزل کی طرف بھی مائل ہوتا ہے۔ تاہم ان کی عشقیہ شاعری محض جذبات کی سطح پر ٹھہر کر نہیں رہتی بلکہ فکر و فن کے ایسے لطیف امتزاج میں ڈھلتی ہے جہاں محبت ایک گہری روحانی تجربے کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

یہ تغزل ہجر و وصال کی عام وارداتوں پر مبنی نہیں بلکہ ایک دھڑکتے دل کی وہ آواز ہے جو نہ صرف شدت احساس کی نمائندہ ہے بلکہ اس میں تلاش، تڑپ اور ایک لطیف اضطراب بھی شامل ہے۔ اسماعیل ظفر کے یہ اشعار اسی منفرد اسلوب کی جھلک پیش کرتے ہیں:

کسی کی یاد ہر اک پل ستائے کیا معنی
نہ جانے کون ہے جس کا ہے انتظار مجھے

کسی بھی پہلو نہ ملتا ہے اب قرار مجھے
میں تری مانگ کو اپنے لہو سے بھر دوں گا

یہ محض الفاظ کا کھیل نہیں بلکہ محبت اور فکری گہرائی کی آمیزش ہے جہاں عاشق کی بے قراری میں عقیدت کی خوشبو اور قربانی کا جوہر جھلکتا ہے۔ ان اشعار میں روایتی تغزل کی شیرینی بھی ہے اور فکری بالیدگی بھی جو ان کے منفرد شعری انداز کو مزید نکھار دیتی ہے۔

اسماعیل ظفر کا زیر نظر مجموعہ ان کے شعری جوہر کی وسعت کو اجاگر کرتا ہے بلکہ ان کے

فکری علو کو بھی ثابت کرتا ہے۔ یہ مجموعہ محض حمد و نعت اور غزلوں تک محدود نہیں بلکہ اس میں مختلف موضوعات پر ایسی نظمیں بھی شامل ہیں جو فکری گہرائی اور مقصدیت کا آئینہ ہیں۔

ان کی نظمیں ــــ"قرآن کی آپ بیتی ــــ"، ــــ"پیر حرم ــــ"، ــــ"قومِ مسلم ــــ"، ــــ"سچ ہے کہ نہیں ــــ"، ــــ"شاہین اسلام ــــ"، ــــ"دختران ملت ــــ"، ــــ"بتا کیا خریدو گے ــــ"، ــــ"ایک عزیز کی بے چارگی ــــ"، ــــ"بہار بن کے رہو ــــ" اور دعائیہ نظمیں' یہ سب محض تخلیقی اظہار نہیں بلکہ عہد حاضر کے سلگتے سوالات کا شعری جواب بھی ہیں۔

یہ نظمیں اصلاحی رنگ میں ڈوبی ہوئی ہیں جہاں شاعری کو محض تفنن طبع کا ذریعہ نہیں بنایا گیا بلکہ اس کے ذریعے ایک فکری و سماجی پیغام دیا گیا ہے۔ ان کے قطعات میں بھی یہی رجحان جھلکتا ہے جہاں الفاظ کے پردے میں حکمت کی روشنی چھپی ہے۔

آج اگرچہ اسماعیل ظفر ہمارے درمیان نہیں رہے لیکن ان کی شاعری آج بھی ان کے عزم و یقین کی گواہی دیتی ہے۔ ان کے اشعار میں جو فکری وسعت' ایمانی حرارت اور شعری لطافت ہے وہ ان کے کلام کو ہمیشہ زندہ رکھنے والی روشنی میں بدل دیتی ہے۔

یہ شاعری نہ صرف دلوں کو گرما دیتی ہے بلکہ ذہنوں کو جھنجھوڑنے کی صلاحیت بھی رکھتی ہے۔ اس میں احساس کی نرمی بھی ہے اور شعور کی تپش بھی۔ یہی وہ خصوصیت ہے جو اسماعیل ظفر کو محض ایک شاعر نہیں بلکہ ایک فکری رہنما کے درجے پر فائز کرتی ہے۔

قاری محمد اسماعیل ظفرؒ کی شاعری

علقمہ شبلی

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالی ہے :اور شعرا تو اُن کے پیچھے بہکے ہوئے لوگ چلتے ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں اور ایسی باتیں کہتے ہیں جو وہ کرتے نہیں ہیں۔ سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے۔ اور جنہوں نے نیک عمل کئے اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا اور جب اُن پر ظلم کیا گیا تو صرف بدلہ لے لیا۔ مندرجہ بالا آیات کریمہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاعری بذات خود کوئی ناپسندیدہ چیز نہیں ہے۔ شاعری اگر اسلامی حدود کے اندر ہو تو شاعر اور معاشرہ دونوں کے لئے مفید ہوسکتی ہے۔ اگر اس میں صداقت، حق شناسی اظہار حق اور بصیرت سے کام لیا جائے تو یہ حکمت اور دانائی کا خزانہ ہے اور اسی لئے شاعری کو جزاست از پیغمبری بھی کہا گیا ہے لیکن ایسے لوگ جن کے قول وعمل میں تضاد ہو اور صدق و کذب میں تمیز نہ کر سکتے ہوں تو ان کی شاعری گم راہ کن ہوسکتی ہے۔

خوشی کی بات ہے کہ قاری محمد اسماعیل ظفر کی شاعری کا بیش تر سرمایہ ان مکروہات سے پاک ہے جو شاعر کو گم راہی کے راستے پر ڈال دیتے ہیں اور اس طرح نظر اعتبار سے گرا دیتے ہیں۔ صداقت طہارت حق گوئی خود شناسی اور خداشناسی اُن کے اشعار کی خصوصیات ہیں جو شاعری کو تاثر و تحیر اور حسن و جمال سے ہم کنار کرتی ہیں۔ تصدیق کے لئے درج ذیل اشعار ملاحظہ فرمائیں:

خدائے اکرم وارحم کا مجھ پہ احساں ہے
ظفر کو جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا دیا لوگو!

سرکار کی سر کار تھی ہے اور رہے گی
قرآں کا ہے اعلان ظفر کو بھی یقیں ہے

وطن کے پھول غریبوں کے گھر میں کھلتے ہیں
حویلیوں میں تو کانٹے اُگائے جاتے ہیں

تہذیب نو کی کیسے ہر اک بات مان لوں
اس کا کلام کیا کوئی رب کا کلام ہے

ہو چکا ظلم کا شکوہ کسی بے بس کی طرح
اب مجاہد کی طرح شان سے جینا ہوگا

جہاں میں موت ہے سستی حیات مہنگی ہے
جو لے کے سر کو ہتھیلی پہ چل سکو تو چلو

یہ چند اشعار مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر پیش کر دئے گئے ہیں۔ کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے خود انتخاب کر کے میرے معروضات کی تصدیق کریں۔

میں قاری صاحب کے اس پہلے شعری مجموعے کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ اگر انھوں نے اسی طرح شاعری کے سفر کو جاری رکھا اور مشاہدہ و مطالعہ کو رہ نما بنا کر سنبھل سنبھل کر قدم آگے بڑھاتے رہے تو اُن کے مزید روشن امکانات کی پیش قیاسی کی جاسکتی ہے اور توقع رکھی جاسکتی ہے کہ آئندہ خوب سے خوب تر اشعار ہمارے ذہن و دماغ کو سرشار کریں گے۔

قاری صاحب کی شاعری پر ایک نظر

قیصر شمیم

قاری محمد اسماعیل ظفر صاحب کے سلسلے میں میرا سب سے پہلا تاثر یہ ہے کہ اُن کی زندگی کا بیش تر حصہ فروغ تعلیم اور اشاعت دین کے کاموں پر صرف ہوا ہے اور اسی اعتبار سے اُن کی کارگزاریوں کا شہرہ دینی و تعلیمی حلقوں میں خاصا رہا ہے مگر قاری صاحب کی ادبی سرگرمیوں کو اُن کی عملی زندگی کی ترجیحات میں شاید ہمیشہ ثانوی حیثیت حاصل رہی ہے۔ یہی سبب ہے کہ قاری صاحب کبرسنی کی سرحد کے قریب پہنچ کر اپنے اولین شعری مجموعے کی طرف مائل ہوئے ہیں۔

میرے سامنے موصوف کا پورا مسودہ تو نہیں البتہ ایک سو کے قریب منتخب اشعار ضرور ہیں، جن میں حمدیہ نعتیہ دعائیہ اور غزلیہ کلام کے نمونے شامل ہیں۔ اُن پر ایک نظر ڈالتے ہی یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ قاری صاحب مختلف اصناف سخن پر طبع آزمائی کرتے رہے ہیں، لیکن اُن کے ذوق سخن نے جس صنف کو اولیت کا درجہ دے رکھا ہے وہ ہے غزل

جس کے اشعار کی تعداد ان کے ارسال کردہ منتخب کلام میں سب سے زیادہ ہے۔

بنیادی طور پر عشقیہ صنف سخن ہونے کے باوجود غزل نے اپنے طویل سفر میں ہر دور کے تغیر وتبدل پر نظر رکھی ہے اور کسی دور کے تلخ وشیریں کا مزہ چکھنے سے کبھی گریز نہیں کیا ہے۔

چنان چہ عصر حاضر تک پہنچتے پہنچتے غزل کے دامن میں فکر تخیل احساس اور موضوع کے اعتبار سے پوری کائنات کی سی وسعت پیدا ہوگئی ہے۔ اب ہر شاعر فکر ہر کس بقدر ہمت اوست کے مطابق غزل کی اس کشادہ دامنی کا فائدہ اُٹھا رہا ہے۔ اسی نوع کے شاعروں میں ہمارے قاری محمد اسماعیل ظفر صاحب بھی ہیں مگر فرق یہ ہے کہ وہ موضوعات کی حد تک غزل کی وسعت کا فائدہ تو اٹھاتے ہیں، لیکن اس نازک صنف سخن کی بنیادی خصوصیات کو بالعموم نظر انداز نہیں کرتے۔ انھوں نے عصری زندگی کے درد وداغ کو اپنی شاعری میں جگہ دی ہے۔ اسی کے ساتھ اپنے دینی مزاج اور ملک وملت سے اپنی محبت کا اظہار بھی اپنی غزلوں میں کیا ہے اور جا بہ جا کیا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ جوش میں آ کر نعتیہ اشعار بھی اپنی غزلوں میں بلا جھجک ڈال دئے ہیں۔ بطور نمونہ ایک خاص نوع کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے :

نچوڑتا ہے لہو تم کو جسم فاسد سے
کسی رسول کا اب انتظار مت کرنا

رہ حیات میں کوئی اگر چٹان ملے
کلام پاک سے رُک کر کلام کر لینا

اے دختران قوم ! تقاضا ہے وقت کا

پیدا حسین وحیدر و عثمان کیجئے
ہر ماں اب اپنے لال کو درس حسین دے
کب تک کٹے گی عمر یہاں بے بسی کے ساتھ
ہو چکا ظلم کا شکوہ کسی بے بس کی طرح
اب مجاہد کی طرح شان سے جینا ہوگا
ہر اک صدی میں تو بھیجے ہیں تو نے اہلِ نظر
صدی اکیس میں بھی تو کوئی قلندر لکھ
احد کی جیتی ہوئی جنگ ہاری جاتی ہے
قدم خلاف نبی جب اُٹھائے جاتے ہیں
غلط باتوں کی قرآں میں طرف داری نہیں ہوتی
کہ جیسے برف کے سینے میں چنگاری نہیں ہوتی
ہم اہل نظر محرم اسرار نہاں ہیں
سر اپنا ہر اک در پہ جھکا یا نہیں کرتے
جو غیرتوں کی ردا منہ پر ڈھانپے رہتا ہے
کبھی وہ بندہ اہل جہاں نہیں ہوتا
فیصلہ ابلیس و آدم کا اسی بابت ہوا
سرکشی اس کو تو اُس کو عاجزی اچھی لگی
اسی دعا میں ہے اسرار انقلاب جہاں
خدایا ! مال دے سرمایہ دار مت کرنا

نہ منصب دار ہو جائے نہ گوہر ہار ہو جائے
ہماری نسل یا رب !صاحب کردار ہو جائے
جسے ہو آرزو الفت کے نغمے مل کے سب گائیں
تو وہ اہل مدینہ کی طرح انصار ہو جائے

مختلف غزلوں کے یہ اشعار ایک خاص نوعیت کے ہیں اور تمام کے تمام ایک ایسے ذہن کی پیداوار ہیں جس میں اسلامیات اور اعلیٰ انسانی قدروں سے محبت کی روشنی بھری ہوئی ہے۔ اسی روشنی میں قاری صاحب اپنے گرد و پیش اپنے معاشرہ اور اپنے دور کے مظالم و مسائل کا جائزہ لیتے رہتے ہیں اور جب انھیں اپنی ملت کا درد بے چین کر دیتا ہے تو وہ اپنے دل کا کرب اس قبیل کے اشعار میں پیش کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ انھوں نے خود ایک شعر میں اس طرف اشارہ کیا ہے:

ظفر کے دل میں ہے جو کرب یا رو!
غزل میں اُس کا لہجہ بولتا ہے

قاری صاحب کا یہی لہجہ جب طنز اختیار کرتا ہے تو کیا صورت و کیفیت ہوتی ہے اس کی کچھ مثالیں دیکھ لیجیے:

جس کو دعویٰ ہے دیش بھگتی کا
بس اسی پر کڑی نظر رکھئے
یہ وطن ہی کے کام آئے گا
آپ محفوظ میرا سر رکھئے
یہ عہد نو کی رائے ملوں سب سے ٹوٹ کر

ماضی کا مشورہ ہے کہ ہشیار کی طرح
وہ چاہے جو بھی کریں، میں اگر کروں تو گناہ
جناب شیخ کو کیا خوف احتساب نہیں
وہی طبیب جو کہتا ہے حال اچھا ہے
چھپا کے منہ وہی آنسو بہائے کیا معنی
تم جو چاہو کہ تمہیں لوگ محقق سمجھیں
ہیر کو رانجھا تو یوسف کو زلیخا لکھنا
اس دور ترقی کا بس اتنا فسانہ ہے
جو حق کو کہے باطل، وہ آج کا دانا ہے

قاری محمد اسماعیل ظفر صاحب اپنی وضع قطع سے بھلے ہی زاہد خشک نظر آتے ہوں، لیکن درحقیقت ان کے سینے میں بھی وہی عاشق کا دل موجود ہے جس کی دھڑکنیں عام طور سے غزلیہ شاعری میں سنائی دیتی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:

سلوٹیں ریشمی چادر کی یہی کہتی ہیں
تیرا بیمار تری یاد میں تڑپا ہوگا
میری بربادی پہ روئی ساری دنیا پھوٹ کر
وہ تھا کیوں محو نظارا یہ کہانی پھر کبھی
حالِ دلِ خوں گشتہ بھلا پوچھتے کیا ہو
کیا تم نے تمناؤں کا مقتل نہیں دیکھا
وہ شخص محفلوں میں جو باغ و بہار تھا

دیکھا جو دل میں جھانک کے بکھر الگا مجھے

قاری صاحب نے اپنے سابقین کا کم اور اپنے معاصرین میں سے بعض کا زیادہ اثر قبول کیا ہے۔ ان میں بطورِ خاص منور رانا کی لفظیات اور اندازِ بیان کی نشان دہی کی جاسکتی ہے:

وقت جو بدلے تو شجرہ نہیں بدلا جاتا
جیسے جگنو سے اندھیرا نہیں بدلا جاتا
جنگ لازم ہے اندھیروں کو کچلنے کے لیے
رات کے خوف سے کمرہ نہیں بدلا جاتا
لگتا ہے کہ وہ شخص مجھے بھول گیا ہے
مدت ہوئی چھتری کبوتر نہیں دیکھا

بہر کیف ایسے شیڈس (Shades) بہت کم ہیں۔ قاری صاحب کے کلام میں ان کے اپنے لب ولہجہ کی نرمی اور گرمی قریب قریب ہر جگہ محسوس کی جاسکتی ہے۔ مجموعی طور پر ان کی شاعری دورِ حاضر کی ایسی شاعری ہے جس میں زندگی کے درد وداغ کے ساتھ ساتھ روشنی کی کچھ لکیریں بھی موجود ہیں۔

سبق آموز شاعری

پروفیسر حافظ محمد طاہر علی
سابق صدر شعبہ عربی فارسی اردو و اسلامیات
وشوا بھارتی، شانتی نکیتن

حافظ قاری محمد اسماعیل ظفر صاحب کی شخصیت دینی اور علمی حلقے میں محتاجِ تعارف نہیں۔ وہ خود ایک اچھے مقرر، مبلغ دین اور ایک فعال سماجی کارکن ہیں ہی، ان کے ساتھ ساتھ ان کے صاحبزادگان بھی آسمانِ علم و ادب کے ماہ و انجم اور بڑے صاحبزادے مہر درخشاں ہیں۔ جن کی ضیا پاشیوں سے سر زمین بنگالہ منور ہے بڑے صاحبزادے ڈاکٹر مولانا صباح اسماعیل ندوی (علیگ) نہ صرف حافظ و قاری اور عالم دین ہیں بلکہ مفسر قرآن بھی۔ ان کے علمی اور دینی مضامین ملک کے موقر رسائل و جرائد میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ حال ہی میں انہوں نے بنگال میں عربی زبان و ادب کا ارتقا کے عنوان پر تحقیقی مقالہ لکھ کر لکھنو یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی حاصل کی ہے جو اہل

بنگالہ کے لئے باعث فخر ہے۔ دوسرے صاحبزادے عبدالباسط اسماعیل ایک انگریزی ہفتہ وار دی ایسٹرن پوسٹ کے ایڈیٹر ہیں۔ ان کے ایک اور صاحبزادے یاسر اسماعیل ایل۔ ایل۔ بی۔ ہیں۔ اور ان دنوں اسلامی فقہ پر تحقیقی کام کر رہے ہیں۔ نیز دی ایسٹرن پوسٹ سے بھی منسلک ہیں۔

غرض پورا خاندان نور علی نور ہے با الفاظ دگر ایں خانہ ہمہ آفتاب است اصلاح معاشرہ اور تعلیم کے فروغ کے لیے بھی قاری اسماعیل اور ان کے صاحبزادگان نا قابل فراموش خدمات انجام دے رہے ہیں۔ قاری اسماعیل نے باب العلوم قائم کیا تھا۔ ان کے صاحب زادے ڈاکٹر مولانا صباح اسماعیل نے عربی تعلیم کے لیے اس میں مزید شعبہ جات قائم کر کے باپ کا نام روشن کیا۔ اس کے علاوہ دینی اور عصری تعلیم سے بچوں کو مزین اور آراستہ کرنے نیز دینی اور دنیاوی دونوں اعتبار سے قوم کے بچے اور بچیوں کا مستقبل سنوارنے کے لیے ــ "جبریل انٹرنیشنل اسکول" کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ مختصر مدت میں اس کی کئی شاخیں کلکتہ میں قائم ہوگئی ہیں۔ اس طرح یہ لوگ قوم وملت کی جو بیش بہا خدمات انجام دے رہے ہیں اور معاشرہ کی اصلاح کے لیے جو کوششیں کر رہے ہیں اس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔

قاری اسماعیل صاحب سے میری شناسائی کی مدت نصف صدی سے بھی زائد پر محیط ہے۔ ۱۹۵۴ء میں جب میں پریسیڈینسی مسلم ہائی اسکول میں نویں جماعت کا طالب علم تھا اور ساتھ ہی مدرسہ عظمتیہ میں استاد محترم قاری عبدالقوی صاحب مرحوم کے پاس قرآن مجید دوبارہ یاد کر رہا تھا اس وقت اسماعیل صاحب بھی مدرسہ عظمتیہ میں حفظ کر رہے تھے۔ اس وقت سے ہم لوگوں کی دوستی شروع ہوئی جو بحمداللہ اب تک قائم ہے۔ میں نے ان کو

ہر رنگ میں دیکھا ہے اور بہت قریب سے دیکھا ہے۔ ان کے دل میں ہمیشہ قوم وملت کی خدمت کا جذبہ موجزن رہا ہے۔ اپنی قوم کی زبوں حالی پر ان کا دل خون کے آنسو روتا ہے اور وہ قوم کی اصلاح کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتے ہیں۔ یہ احساسات ان کی تخلیقات بالخصوص ان کی شاعری میں نمایاں ہیں۔ ان کی شاعرانہ صلاحیت عرصہ دراز تک لوگوں کی نظر سے مخفی رہی۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ قاری اسماعیل ظفر صاحب نہ تو مشاعروں میں شرکت کرتے اور اپنا کلام سناتے نہ ہی رسائل وجرائد میں اپنا کلام اشاعت کے لیے بھیجتے۔

وہ جب بھی میرے گھر آتے اپنا تازہ کلام مجھے ضرور سناتے اور میں ان سے اصرار کرتا کہ اسے چھپوائیے تاکہ لوگ ان سے استفادہ کریں، کیوں کہ آپ کی غزلیں صرف محظوظ ہونے کے لیے نہیں بلکہ مستفید ہونے کے لیے بھی ہے۔ یہ قوم کے لیے ایک آئینہ کا کام کرے گا۔ بہر حال اللہ کے فضل وکرم سے اب ان کا شعری مجموعہ جلد ہی منظر عام پر آرہا ہے۔ قاری اسماعیل ظفر بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ غزل کو حدیث زنان گفتن کہتے ہیں۔ شمس قیس رازی نے المعجم فی معاییر اشعار العجم میں لکھا ہے؟

"غزل نعت دختران و حدیث ایشان است و مغازلت عشق بازی با زنان است و گویند رجل غزل یعنی مرد عشق باز... این جہت شرع عاشق وصفات جمال معشوق را غزل خوانند.

ترجمہ : غزل لڑکیوں کی تعریف اور ان کی باتیں ہیں اور مغازلت عورتوں کے ساتھ عشق بازی ہے۔ کہا جاتا ہے رجل غزل یعنی عشق باز شخص اور اس اعتبار سے شرح احوال عاشق اور صفات جمال معشوق کو غزل کہتے ہیں۔ اگر قاری اسماعیل ظفر کی غزلوں کو اس

معیار پر پرکھیں تو پوری نہیں اتریں گی کیونکہ فارسی اور اردو کے شعرا اپنی غزلوں میں زلف ولب درخسار کی مدحت سرائی اور حسن وعشق کی داستان ہی بیان کرتے آئے ہیں۔لیکن انیسویں صدی میں غالب اور بیسویں صدی میں اقبال نے اس سے انحراف کیا۔غالب نے غزل کے مضامین کو وسعت دے کر اس میں حسن وعشق کی داستان کے ساتھ ساتھ فلسفہ اور تصوف کے مسائل کو بھی شامل کر دیا۔اقبال نے فارسی اور اردو نظموں کے علاوہ غزلوں کو ایک خاص مقصد کے لیے استعمال کیا ہے۔اقبال نے صاف لفظوں میں کہا:

نغمہ گجا و من گجا ساز سخن بہانہ ایست
سوئے قطار می کشم ناقہ بے زمام را

اقبال کی طرح قاری اسماعیل ظفر نے بھی ایک خاص مقصد کے تحت فن شاعری کو اپنایا ہے اور وہ مقصد ہے اصلاح معاشرہ۔دونوں کو مقصد عزیز ہے شاعر کہلانے کا شوق نہیں۔اقبال شاہ امم سے فریاد کرتے ہیں کہ لوگ انہیں غزل خواں سمجھتے ہیں:

من اے شاہ امم دادا از تو خواہم
مرا یاران غزل خوانی شمردند

وہ مزید کہتے ہیں کہ لوگ ان سے حدیث دلبری اور سوز وساز شاعری کے طالب ہیں لیکن ان کے دل میں جو تڑپ اور بیتابی ہے اسے نہیں دیکھتے۔پیام مشرق میں کہتے ہیں :

او حدیث دلبری خواہد زمن
سوز و ساز شاعری خواہد زمن
بے خبر بے تابی جانم ندید

آشکارم دید و پنہانم ندید

ظفر کا دل بھی قوم کے درد میں بیتاب ہے، ان کی زبوں حالی اور پستی کو دیکھ کر ان کا دل تڑپ رہا ہے۔ بظاہر لوگ ان سے بھی حدیث دلبری اور سوز و ساز شاعری ہی کے خواہاں ہیں لیکن یقین ہے کہ انہیں مایوسی ہوگی اسی لیے شاعر غزل سنانے سے بھی پرہیز کرتا ہے کہ کہیں بھید نہ کھل جائے وہ کہتا ہے:

دیکھ مت کہنا ظفر سے وہ پڑھے اپنی غزل
بھید کھل جائے گا سارا، یہ کہانی پھر کبھی

اقبال نے بھی کہا تھا:

مری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ
کہ میں ہوں محرم راز درون مے خانہ

دوسری جگہ ظفر صاف لفظوں میں کہتے ہیں کہ میری غزل میں میرے دل کے درد و کرب کی عکاسی ہے:

ظفر کے دل میں ہے جو کرب یارو!
غزل میں اُس کا لہجہ بولتا ہے

اسماعیل ظفر کا کلام حالات حاضرہ کا آئینہ ہے۔ ہمارے گرد و پیش جو کچھ ہو رہا ہے اسی کا عکس ہم ظفر کے کلام میں دیکھتے ہیں۔ آج ہر طرف نفرتوں کا بول بالا ہے۔ شاعر اس سے نالاں ہے اور انتہائی درد کے ساتھ ملتجی ہے:

نفرتوں کی بھی دیوار گرا کر مولی
ان ہی ملبوں سے کوئی پیار کا رستہ دے دے

آج دیش بھگتی کا لبادہ اوڑھ کر کچھ لوگ جس طرح فرقہ پرستی کا کھیل کھیل رہے ہیں اور قانون کے محافظوں کی آنکھوں میں دھول جھونک رہے ہیں۔ شاعر قانون کے محافظوں کی توجہ اس طرف مبذول کراتے ہوئے کہتا ہے:

جس کو دعویٰ سے دیش بھگتی کا
بس اُسی پر کڑی نظر رکھئے

اس شعر میں جو لطیف طنز ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔ حالات حاضرہ پر دو اشعار اور ملاحظہ فرمائیے:

مقتول کے چہرے پہ جو مسکان ہوا تو
دریا نہیں، کشتی میں بھی طوفان ہوا تو
کچھ عقل کے اندھوں کی حمایت کی وجہ سے
کشمیر جو گلزار ہے شمشان ہوا تو

قاری اسماعیل ظفر ایک مجاہد ہیں اور جدو جہد کے شاعر۔ ان کے کلام میں یاسیت اور قنوطیت نہیں بلکہ رجائیت کا پہلو نمایاں ہے۔ ان کے دل میں درد و کرب ضرور ہے لیکن وہ رنج والم سے لرزاں نہیں بلکہ ایک بچے مسلمان کی طرح اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ یہ رنج والم عارضی ہیں اس لیے ان سے لرزاں و ترساں ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ ببانگ دہل کہتے ہیں:

رنج والم کے بوجھ سے لرزاں نہ ہو ظفر
ہر چیز عارضی ہے کوئی جاوداں نہیں

اسی طرح آج جب کہ ہماری قوم اغیار کے ستم کا ماتم کرنے اور بے کس و مجبور کی طرح

اپنی مظلومی کا صرف شکوہ ہی کرنے میں مصروف ہے شاعر قوم کو للکارتے ہوئے انہیں مجاہدانہ شان سے جینے کا سبق سکھاتا ہے:

ہو چکا ظلم کا شکوہ کسی بے بس کی طرح
اب مجاہد کی طرح شان سے جینا ہوگا

ان کو اس بات کا بھی دکھ ہے کہ ان کی نسل صاحب کردار نہیں ہے۔ انسان خواہ کتنے ہی بڑے عہدے کو پہونچ جائے یا ترقی کی کتنی ہی منزلیں طے کرلے اگر اس میں کردار کی بلندی نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ اس لیے شاعر خدا سے انتہائی دکھ کے ساتھ دعا کرتا ہے

نہ منصب دار ہو جائے نہ گوہر بار ہو جائے
ہماری نسل یارب! صاحب کردار ہو جائے

ظفر کے کلام میں عصر حاضر پر جا بجا خوبصورت طنز بھی ملتا ہے جس نے ان کے کلام کی وقعت اور معنویت میں اضافہ کر دیا ہے۔ مثال کے طور پر:

اس دور ترقی کا بس اتنا فسانہ ہے
جو حق کو کہے باطل، وہ آج کا دانا ہے

یا پھر تحقیق کے میدان میں آج کے محقق تحقیق کے نام پر جو گل کھلا رہے ہیں اس پر طنز کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے:

تم جو چاہو کہ تمہیں لوگ محقق سمجھیں
ہیر کو رانجھا تو یوسف کو زلیخا لکھنا

آج ہمارے سماج میں حال یہ ہے کہ ایک بچی کو جنم لینے سے پہلے عالم بالا میں پہنچا دیا جاتا ہے اور دوسری طرف عورتوں کے حقوق کے لیے بڑے بڑے جلسے اور لمبی لمبی

تقریریں ہوتی ہیں۔اس پر شاعر کہتا ہے:

اک سمت ہے خیال کہ عورت نہ جنم لے
اک سمت اس کی فکر کہ حق تلفیاں نہ ہوں

طنز کی دو مثالیں اور:

وہ چاہے جو بھی کریں، میں اگر کروں تو گناہ
جناب شیخ کو کیا خوف احتساب نہیں
بھنور سے مجھ کو تو موجیں بچا بھی سکتی ہیں
یہ آدمی ہے ڈبو کر مجھے مٹادے گا

قومی حالات کے پیش نظر اور وقت کے تقاضا کو سامنے رکھتے ہوئے اسماعیل ظفر نے قوم کی بیٹیوں اور ماؤں سے جو مطالبہ کیا ہے وہ صرف قابل عمل ہی نہیں قابل ستائش ہے۔ ملاحظہ ہو:

اے دختران قوم تقاضا ہے وقت کا
پیدا حسین و حیدر و عثمان کیجئے

یا پھر یہ کہ

ہر ماں اب اپنے لال کو درس حسین دے
کب تک کٹے گی عمر یہاں بے بسی کے ساتھ

قاری صاحب کے کلام میں سلاست اور روانی تو ہے ہی ساتھ ہی ساتھ ان کا کلام صنائع و بدائع سے بھی مزین ہے جن کی وجہ سے کلام کی فنی خوبیوں میں بھی چار چاند لگ گئے ہیں۔ چند مثالیں:

صنعت تضاد:

ارباب امارت کو مبارک ہوا میری
میرے لیے طیبہ کی فقیری ہی بھلی ہے

مراعات النظیر :

فلک کو جس گھڑی آتا ہے غصہ
ہوا طوفان دریا بولتا ہے

ایک اور مثال:

کھیت پٹائے دانے ڈالے ہل بھی چلائے دیکھے بھالے
ظاہر میں دہقاں کرتا ہے لیکن فصل اُگاتا ہے تو

قاری اسماعیل ظفر صاحب کی قرآن اور تاریخ اسلام پر گہری نظر ہے اسی لیے قرآن میں مذکور اور تاریخ اسلام میں مسطور واقعات کو انہوں نے اپنے کلام میں بطور تلمیح استعمال کیا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے اس واقعہ کو نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے جب فرعون کے جادوگروں نے حضرت موسیٰ پر سانپ چھوڑے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے عصا کو اژدہا بنا کر ان تمام سانپوں کا صفایا کر دیا۔ قاری صاحب نے

ایک شعر میں اس واقعہ کو اس طرح سمیٹا ہے:

تلمیح

قصر فرعون میں پھر بزم بھی ناگوں کی
کاش ! موسیٰ کی طرح کوئی سپیرا دے دے

جنگ احد میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ صحابیوں کو جو تیر انداز تھے احد کی پہاڑی پر چڑھ کر دشمنوں پر نظر رکھنے کا حکم دیا اور یہ بھی فرمایا کہ جب تک میں نہ حکم دوں آپ لوگ نیچے نہ اتریں۔لیکن جب دشمن پیٹھ دکھا کر بھاگنے لگے اور مسلمانوں نے سمجھ لیا کہ وہ جنگ جیت گئے تو تیر انداز صحابہ پہاڑ سے نیچے اتر کر مال غنیمت سمیٹنے لگے۔ خالد بن ولید نے جو اس وقت مشرکوں کے کمانڈر تھے موقع غنیمت جانا اور پہاڑ کے پیچھے سے اچانک حملہ کر دیا۔جس کے نتیجے میں مسلمان جیتی ہوئی جنگ ہار گئے۔اس واقعہ کو قاری صاحب نے مندرجہ ذیل شعر میں نہایت سبق آموز انداز میں پیش کیا ہے۔

تلمیح

اُحد کی جیتی ہوئی جنگ ہاری جاتی ہے
قدم خلاف نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اُٹھائے جاتے ہیں

الغرض قاری اسماعیل ظفر صاحب کا کلام مسلم قوم کے لیے سبق آموز اور آئینہ عبرت بھی ہے اور انہیں خواب غفلت سے بیدار کرنے کا ذریعہ بھی۔ میرے سامنے ان کے مجموعہ کلام کا مسودہ نہیں ہے صرف چند متفرق اشعار ہیں، میں نے ان ہی کی روشنی میں اپنے تاثرات قلم بند کر دئے ہیں۔ اخیر میں قارئین کرام سے میری گزارش ہے کہ کلام ظفر کو روایتی شاعری کے پس منظر میں نہیں بلکہ حالی کی نظم مدوجزر اسلام اور اقبال کی مقصدی شاعری کے تناظر میں مطالعہ کریں تو اس کی صحیح قدر و قیمت متعین کر سکیں گے۔

قاری محمد اسماعیل ظفرؒ
کی شاعری میں عصری معنویت

مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری
استاذ حدیث، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو

شعر وشاعری کی دنیا بڑی لطیف نازک حساس اور باشعور ہوتی ہے۔ شاعر کی شاعری اگر مقصدیت سے ہمکنار ہو تو اس فن کی مشاطگی سے زلف ادب کو نکھار، شعور وآگہی کو جلا اور شعری معنویت کو رفعت وتجمل حاصل ہوتا ہے اور اس کی ظاہری اور معنوی خوبیوں کا اثر سامع اور قاری پر براہ راست پڑتا ہے۔ اچھا شاعر وہی ہے جو ماحول کا نبض شناس ہو جو حالات پر حکیمانہ نظر رکھتا ہو جو اپنے گرد وپیش کو موزوں کرنے کے لیے شعری پیکر کی سوغات رکھتا ہو جو صرف ردیف وقافیہ میں الجھا نہیں رہتا، بلکہ گل نورس پر بوند شبنم کی

چمک سے شعری تنویر حاصل کر لیتا ہے جس سے روح کو بالیدگی اور مشام جاں کو معطر ہونے کا موقع ملتا ہے۔

جناب قاری اسماعیل ظفر صاحب جو ایک کہنہ مشک قاری جلیل القدر حافظ قرآن اور باب اعلوم کے روح رواں اور کامیاب مربی ہی نہیں بلکہ ایک اچھے سخن پرور اور سخن شناس شاعر بھی ہیں، جن کی شاعری برائے شاعری نہیں بلکہ شاعری طبیعت کا حسن اور تقاضائے فطرت کا جمال ہے آپ کا تخیل جذبات و احساسات کے نازک چمن زاروں سے جس سبک روی سے محو نظر آتا ہے اس سے بوئے گل کا احساس ہویدا ہوتا ہے اور اس کی خوشبو میں لطافت زبان

بلندی کخیال جدت ادا اور قوت بیان کے نادر اسالیب کی یکساں آمیزش بڑی آسانی سے محسوس کی جاسکتی ہے، آپ کی شاعری میں تصوف سے لے کر عشق و محبت کے موضوع جو درس انسانیت کی معیاری بلندی اور جذبات آفرینی کا عروج ہے وہ موجودہ دور کے لیے چراغ راہ اور آنے والی نسلوں کے واسطے مشعل ہدایت ثابت ہوں گے۔

قاری صاحب ہر طبقہ فکر میں معروف اور ہر دلعزیز ہیں اور ہر ایک سے تعلقات برتنے کا گر بھی انہیں آتا ہے۔ ۱۹۸۵ء میں پہلی دفعہ بنگلہ دیش جاتے ہوئے باب العلوم مولا علی کے چھوٹے سے دفتر میں ان سے ملاقات ہوئی اس پہلی ملاقات کی خوشبو آج تک محسوس کی جاسکتی ہے بلکہ وہ کشاں کشاں دم طوف پر آمادہ رکھتی ہے۔

قاری اسماعیل ظفر صاحب بڑی خوبیوں کے مالک ہیں۔ ان خوبیوں کا قوس قزح ان کی شاعری میں بھی جلوہ گر ہے۔ حمدیہ شاعری میں ان کے کلام کی معنویت کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیں : بڑا حکیم ہے وہ جس نے اپنی حکمت سے حقیر قطرے کو گوہر بنا دیا لوگو دنیا

والے جیسا چاہیں، جو بھی چاہیں تجھ کو سمجھیں لیکن مولا چشم ظفر میں پیار کا بہتا دریا ہے تو نعتیہ شاعری شعرا کی پختہ شاعری کی دلیل ہے۔ نعتیہ شاعری مثل پل صراط ہے ذرا کی بے اعتنائی شاعر کے لیے قعر مذلت کا پیش خیمہ ہوسکتی ہے قاری صاحب نے اس زمین میں بھی زرخیز شاعری کی ہے:

دنیا کی نظر میرے گناہوں پر لگی ہے
اور میری نظر شافع محشر پہ جمی ہے
کرتا ہے جو تحقیر محمد اُسے کہہ دو
کیوں دور تمدن کا بھرم کھول رہا ہے

غزل کی وادی بڑی پرخطر ہے دل ٹوٹتا ہے تو غزل ڈھلتی ہے۔ آنکھوں سے مے کی بارش ہوتی ہے تو ساقی کے جام مینا سے غزل کی سے چھلکتی ہے:

پے کسی آئین منکر کو دیتی ہے جلا
ٹوٹ جاتے ہیں ستارے تو غزل ہوتی ہے

اس صنف نازک میں بھی قاری صاحب نے طبع آزمائی کی ہے اور زندگی کے بہت سے معانی کو بڑی خوبیوں سے غزل کے آبگینوں میں پیش کیا ہے ان کا سمند ناز اس وادی میں تیز گام ہے اور اپنے کلام کی رعنائی سے اس صنف کو لالۂ صحرائی کا یہ پیرہن عطا کیا ہے۔

وہ کہتے ہیں:

مصیبتوں سے لرز کر نراس مت ہونا
دورات کیسی؟ چھپا جس میں آفتاب نہیں

ہو چکا ظلم کا شکوہ کسی بے بس کی طرح اب مجاہد کی طرح شان سے جینا ہوگا عصر حاضر پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

تم جو چاہو کہ تمہیں لوگ محقق سمجھیں ہیر کو رانجھا تو یوسف کو زلیں لکھنا اس دور ترقی کا بس اتنا فانہ ہے جو حق کو کہے باطل وہ آج کا دانا ہے قاری ظفر صاحب کی شاعری کا بانمکین ان کے کلام کے آبگینوں میں جلوہ آرا ہے۔

عصر حاضر پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے خوب کہا ہے:

اندھیر یہ عہد نو کی رائے ملوں سب سے ٹوٹ کر ماضی کا مشورہ ہے کہ ہشیار کی طرح

چہرے پر رقم ہیں دل و دنیا کے فسانے
ہر شخص یہاں مسیح کا اخبار لگے ہے

ظفر صاحب کا تیور یوں بھی بولتا ہے:

فلک کو جس گھڑی آتا ہے غصہ
ہوا طوفان دریا بولتا ہے
ظفر کے دل میں ہے جو کر بے یارو!
غزل میں اُس کا لہجہ بولتا ہے

ظفر صاحب کی شاعری میں جرات و دلیری اور حوصلہ کے قوام کا بھی وافر حصہ ہے۔ وہ کہتے ہیں:

جنگ لازم ہے اندھیروں کو کچلنے کے لیے
رات کے خوف سے کمرہ نہیں بدلا جاتا
صاف گوئی میری فطرت کا تقاضا ہے ظفر

مجھ سے احساس کا چہرہ نہیں بدلا جاتا

ہمیں امید ہے کہ جناب قاری صاحب کا یہ مجموعہ کلام انشاء اللہ اہل سخن کے یہاں بے حد مقبول ہوگا اور شعر و شاعری کی بارگاہ میں ایک حسین اضافہ ثابت ہوگا۔

اسماعیل ظفر : شخص اور شاعر

نورالہدی کلکتہ

اسماعیل ظفر گرچہ ایک فرد واحد کا نام ہے لیکن ان کی ذات ایک انجمن ایک دبستان ہے جس میں دین و دنیا دونوں یک جا ہیں۔ کلکتہ یونیورسٹی سے اردو زبان و ادب کا فاضل اور حافظ قران۔ ایک بہترین قاری قرات ایسی کہ کافر بھی مسلمان ہو جائے۔ ایک اعلیٰ پائے کا واعظ و معلم اور سب سے بڑھ کر شان بوذری رکھنے والا ایک انسان ان جملہ خوبیوں نے انھیں دین و دنیا دونوں میں سرخ رو اور سرفراز کیا ہے۔ قرآن و سنت پر غیر متزلزل عزم و یقین اور ان کے عملی تقاضوں کی پاس داری زہد و ورع اور خدمت دین نے انھیں مافوق الفطرت عابد و زاہد اور تارک الدنیا بنا دیا ہے۔ اپنے تمام اعمال میں چاہے وہ دین کے ہوں یا دنیا کے وہ ہماری طرح ایک زمینی انسان بن کر رہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیاوی اور اخروی دونوں اقسام کے فیوض و برکات انھیں حاصل ہیں۔ دنیاوی اور مادی تصورات کے سیاق میں نیک بیوی ایک جنت ہے۔ صالح باعمل اور فرماں بردار اولاد

میں بھی جنت ہیں۔ اسلام اس مادی دنیا کا منکر نہیں بلکہ اس پر تسلط حاصل کرنے کا راستہ ہے۔ اسلام کے اس بنیادی فلسفے پر یقین وعمل ان کی کامیابی کا ذریعہ ہے۔ شعر وادب کی محفل ہو یا دین وشریعت کی راہیں دونوں ہی ان کی ذات میں روشن ہیں۔ وہ جہاں بھی ہیں اپنی شناخت رکھتے ہیں:

یک چراغ است در این خانہ کہ از پرتو آن
ہر گجا می نگری انجمن ساختہ اند

حافظ قاری محمد اسماعیل ظفر کے بارے میں جو کچھ لکھا جارہا ہے وہ الفاظ کی بازیگری یا زبان وادب کی ساحری نہیں بلکہ عقیدت واحترام اور محبت ویگانگت کے وہ احساسات ہیں جو پچھلے چالیس سالوں سے راہ ورسم اور قربت ورفاقت کے سائے میں پرورش پاتے رہے ہیں۔ ایک ایسے دور ابتلا وانتشار میں جب کہ انسان فطرت خداوندی کا منکر د مشرک ہے، ایک بےلوث رفیق اور دوست کا حاصل کرنا نعمت ایزدی سے کم نہیں ہے

در این زمانہ رفیقی کہ خالی از حلل است
صراحی مئے ناب وسفینۂ غزل است

ہم دونوں کی رفاقت ودوستی میں کسی نفس باطل کا دخل نہیں۔ دوری میں بھی قربت ہے۔ کوئی امید کوئی آرزو کوئی توقع نہیں اور سچ پوچھئے تو سب کچھ ہے۔ اگر کوئی امید ہے تو ہر امید اخلاص کے راستے سے آئی ہے۔ اگر کوئی تقاضہ ہے تو ہر تقاضہ مصلحتوں کے تابع تو ہے۔ اگر کوئی توقع ہے تو اس کے مستثنات بھی ہیں۔

ہم دونوں کی رفاقت کی عمر چالیس پینتالیس سال ہے۔ مدرسہ عالیہ کلکتہ میں رفیق درس وتدریس رہے۔ وہ زمانہ علمی وادبی لحاظ سے نہایت ہنگامہ خیز اور درس وتدریس کے

حوالے سے نہایت روشن اور پر امید تھا۔ پرانے شاگردوں میں ان کا احترام ہنوز باقی ہے۔کلکتہ یونیورسٹی سے ظفر نے اردو زبان وادب میں ایم اے کیا۔ دور شباب میں فٹ بال کے بہترین کھلاڑی رہ چکے ہیں۔ دینیات اور مذہبیات کے وسیع مطالعہ اور تسخیر نفس کے مجادلہ سے ان کی تمام زندگی عبارت ہے۔ان کا اظہار تحریر وتقریر فکر وعمل اور وعظ ونصیحت میں ہوتا رہتا ہے۔ان کی آواز میں سحر ہے۔ ہندوستان گیر طور پر کم اصحاب ہوں گے جو ان کی قرآت کی سحر انگیزی اور جذب وکیف میں ان کے ہم سر ہوں گے۔ان کی پوری زندگی خدمت خلق اور خدمت دین کی نہایت حوصلہ افزا مثال ہے۔

مدرسہ عالیہ کی مدرسی سے الگ ہو کر وہ اپنے والد محترم کے حکم کے پیش نظر مولا علی مسجد کی امامت اور ملحق مدرسے میں درس وتدریس سے وابستہ ہو گئے۔ان کی امامت میں نماز پڑھنا ایک ذہنی اور روحانی تجدید سے کم نہیں ہے۔ جب کبھی ان کی امامت میں نماز پڑھنے کا موقع ہوتا ہے تو خواہش ہوتی ہے کہ وہ لمبی سورہ لگائیں۔ جب کبھی غریب خانہ پر آنا ہوتا ہے تو راقم کی فرمائش ہوتی ہے کہ اپنی قرات سے فیض یاب کریں۔خواہش کبھی پوری ہوتی ہے کبھی رد کر دی جاتی ہے۔ ہندوستان کے مختلف دینی اصلاحی وفلاحی اداروں سے ان کی وابستگی ہے۔ دینی اور دنیاوی برکتوں کی فراوانی نے ان میں فخر وغرور نہیں پیدا کی ہے۔فکر وعمل میں جو انکساری اور اخلاص پہلے تھا وہ ہنوز ہے۔ انسانی تعلقات میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں۔زندگی اور اعمال زندگی کے قلندرانہ انداز نے ان کا ساتھ نہیں چھوڑا ہے۔اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ وہ شاعر بھی ہیں لیکن غالب کی طرح شاعری ظفر کے لیے باعث عزت وشہرت نہیں۔غالب کو شکایت کہ انھیں کوئی سخن سنج نہیں ملا۔آپ لکھتے تھے اور آپ اٹھا رکھتے تھے۔ظفر کو مجھ جیسا سخن ناشناس میسر ہے۔

سنانے پر آتے ہیں تو رکتے نہیں ہیں۔ بہر حال ان کی شاعری بھی دینی جذبات اور مذہبی محرکات کے وسیلے سے وجود میں آتی ہے۔ شاعری کے تمام تانے بانے دین و مذہب ملک وملت اور تبلیغ واصلاح سے جڑے ہوئے ہیں کچھ مستثنات بھی ہیں لیکن ان میں وہ تاثیر اور کیفیت نہیں جو اسلامی شاعری میں ہے۔ حمد وثنا اور نعت ومنقبت کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے :

خدائے اکرم وارحم کا مجھ پے احساں ہے
ظفر کو جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا دیا لوگو!
ہزار بات کی اک بات تجھ سے کہتا ہوں
سوائے رب کے کسی پر بھی انحصار نہ کر
ظفر کو کیا پڑی ہے وہ کرے تقلید غیروں کی
محمد اُس کے ہادی ہیں مدینہ اُس کا محور ہے
پھر مجھ کو دکھا عہد رسالت کا کرشمہ
اے دور نویں ! منکر میں کیوں ڈوبا ہوا ہے

اسماعیل ظفر کی شاعرانہ کاوشوں کو شعر وادب کے مروجہ اصول پر رکھنا زیادتی ہوگی۔ شعرائے فکر وفلسفہ کی زحمتوں سے قطع نظر اور ادب برائے ادب اور ادب برائے زندگی کے فلسفے سے ہو نظر کرتے ہوئے یہ کہنا زیادہ احسن ہے کہ ان کی شاعری واردات قلب کی ملتی اور اسلامی شاعری ہے۔ ان کی شاعری کا بنیادی فلسفہ اسلام ہے۔ اس کے باوجود ان کا ذہن ووجدان جامد وساکت نہیں ہے۔ حالات زمانہ اور عصری افتادات پر ان کی گہری نظر ہے۔ وہ وقت وحالات کا مشاہدہ ایک مربی اور مصلح کی شکل میں کرتے ہیں

جس کو دعویٰ ہے دیش بھگتی کا
بس اسی پر کڑی نظر رکھیے
سنا ہے تم نے رئیسوں سے دوستی کی ہے
اب اپنے دفن کا بھی انتظام کر لینا
دہشت پسند فکر ہماری ہے یا نہیں
آزاد سے حمید سے ہندالولی سے پوچھ
جو نام یہ اردو کی دکاں اپنی سجائے
دیکھو تو وہ اردو کا طرف دار لگے ہے
اک حشر سا برپا ہے ملت کے مسائل پر
نیتاؤں کا کہنا ہے موسم یہ سہانا ہے

ظفر نے شاعری کے مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی ہے۔ نظم و غزل محمد و ثنا انعت و منقبت پر ان کے اشعار ہیں لیکن بنیادی طور پر وہ نظم کے شاعر ہیں۔ گرچہ کلی طور پر خود شاعری بھی ان کے ایوان سخن میں دین و مذہب کے دروازے سے آئی ہے اور اس کی حیثیت ادب میں وہی مقام رکھتی ہے جو کیمیائی عمل میں بائی پروڈکٹ (bi-product) کا ہے۔ یعنی دین و مذہب کے وسیلے سے انھوں نے اردو ادب کی بھی تسخیر کی ہے۔ ظفر کی شاعری لازمہ حیات یا مقصد ادب نہیں بلکہ اس کا مقصد اصلاح و پیغام ہے اور اس میں وہ نہایت مخلص اور کامیاب ہیں۔ غزل کے میدان میں بھی ان کی فکر روایتی اور افتادہ نہیں بلکہ مجتہدانہ ہے :

رنج و الم کے بوجھ سے لرزاں نہ ہو ظفر

ہر چیز عارضی ہے کوئی جاوداں نہیں
جو ہو سکے تو نئی نسل سے ظفر کہہ دے
یہ کر بلا ہے یہاں زندگی سے پیار کر

ظفر کی شاعری کا سارا معاملہ قرآن وسنت اور دین وشریعت سے ہے لیکن حقیقی منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے مجاز کی راہوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ مشاہدہ حق کی گفتگو بھی بادہ و ساغر کے ذکر کے بغیر نہیں ہوتی۔ ان کی شاعرانہ تخیل اس کلیے سے مستثنیٰ نہیں ہے : جو

زخم تو نے دیا تھا، ابھی ہرا ہے وہ
میں تجھ کو بھول گیا اس کا اعتبار نہ کر

اسماعیل (حافظ قاری) ظفر عاشق رسول مبلغ و مصلح، خادم انسانیت اور شاعر دو الگ الگ شخصیتیں ہیں گرچہ دونوں کا مقصد ومنزل ایک ہی ہے۔ ان دو میں سے راقم الحروف کو اگر کسی ایک کا انتخاب کرنا ہو تو بلا تکلف اول الذکر کو ترجیح دے گا۔

قاری اسماعیل ظفر کی مشرقی شاعری

ڈاکٹر شبیر ابروی

شعری تخلیق بہت ہی پیچیدہ عمل ہے۔ منزل سے ہمکنار ہونے کے لیے عزائم کے دم پھول جاتے ہیں۔ شوق سفر کی پنڈلیاں کانپنے لگتی ہیں۔ یہ عمل محض لفظ آرائی اور قافیہ سازی سے کھیل نہیں ہوتا۔ اس کے لئے تخلیقی مواد کی انفرادی شان بہت اہم رول ادا کرتی ہے۔ ناظم مدرسہ باب العلوم اور سرپرست جبریل انٹرنیشنل اسکول قاری اسماعیل ظفر صاحب کا نام شہر کے علمی حلقے میں اجنبی نہیں۔ اُن کا شمار مغربی بنگال کے معتبر لوگوں میں ہوتا ہے۔ ذہن تنظیمی امور سے واقف اور دل مذہبی رواداری کے جذبوں سے لبالب بھرا ہے۔ ادبی مذہبی مطالعے نے ذہنی نشوونما کو خاص تقویت بخشی ہے۔ زیر نظر مجموعہ قاری صاحب کے فکر وفن کی پہلی منزل ہے۔ اس کے اشعار میں موجودہ عہد کا کرب اپنی فکری جولانیوں کے ساتھ جلوہ گر ہے:

ظفر کے دل میں ہے جو کرب یا رو!
غزل میں اُس کا لہجہ بولتا ہے

اسماعیل ظفر صاحب مشرقی تہذیب کے دلدادہ ہیں۔ شرافت اور انسان دوستی کا سبق

اپنے پرکھوں سے پڑھا ہے۔ اساتذہ کی آنکھیں دیکھی ہیں۔ اپنی سرشار جوانی کا عرق قطرہ قطرہ نچوڑ کر قوم کے بچوں کی ذہنی استقامت میں لگا دیا ہے۔ آج ضعیفی کے آنگن میں کھڑے ہیں۔

نہ پائے استقلال میں لغزش نہ حوصلے کے ماتھے پر شکن۔ اُن کا کلام دینی سماجی شعور سے معمور اور گرمی جذبات کی نعمتوں سے مالا مال ہے۔ غزل میں انہوں نے اُن موضوعات کو اشعار کے قالب میں ڈھالا ہے جنہیں ظاہری آنکھوں سے دیکھا اور چشم باطن سے مشاہدہ کیا ہے۔ قاری صاحب کی ادبی صلاحیت نے جز وقتی شاعری پر اکتفانہ کیا ہوتا تو شعری منظر سرگلشن میں اُن کی صالح فکروں نے کچھ اور نت نئے گل کھلائے ہوتے۔ فن پارہ کو فنکار کی شخصیت کا آئینہ کہا جاتا ہے۔ تفہیم فن کی آرائش کے لئے ظفر صاحب نے بصیرت و آگہی کے سائے میں چلنے کی کوشش کی ہے۔ قوی امید ہے کہ ادبی و علمی حلقوں میں اس کتاب کی خاطر خواہ پذیرائی ہوگی۔ نمونے کے طور پر چند اشعار ملاحظہ فرمائیں :

ارباب امارت کو مبارک ہو امیری
میرے لیے طیبہ کی فقیری ہی بھلی ہے

جنگ لازم ہے اندھیروں کو کچلنے کے لیے
رات کے خوف سے کمرہ نہیں بدلا جاتا

کیسے وہ ظفر اشک ترا تول کے گا
جس نے کبھی روتا ہوا بادل نہیں دیکھا

لگتا ہے کہ وہ شخص مجھے بھول گیا ہے
مدت ہوئی چھتر پہ کبوتر نہیں دیکھا

والد محترم کی اصلاحی شاعری

ڈاکٹر صباح اسماعیل ندوی علیگ

شاعر مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض لوگ کل وقتی شاعر ہوتے ہیں۔ شاعری ان کا اوڑھنا بچھونا ہوتی ہے۔ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے ہر وقت ان کے دماغ میں اشعار آتے جاتے رہتے ہیں۔ پھر ان میں سے کچھ لوگ شاعری برائے شاعری کرتے ہیں اور بعض کے نزدیک شاعری بندگی کا درجہ رکھتی ہے۔ ان میں سے بعض غزل یا نظم مکمل کئے بغیر سو نہیں سکتے اور بعض لوگ اچانک نیند سے چونک کر بیدار ہو جاتے ہیں اور کاغذ قلم لے کر بیٹھ جاتے ہیں۔ ان کی زندگی شاعری سے شروع ہو کر شاعری پر ختم ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کو فل ٹائم شاعر کہنا اور سمجھنا کچھ غلط نہیں بلکہ عین انصاف اور مناسب بات ہے۔

شاعروں میں ایک بڑی تعداد ایسی سنجیدہ اور معتدل مزاج شعراء کی ہے جو مکمل شاعر تو ہوتے ہیں مگر شعر و شاعری ان پر اس درجہ حاوی نہیں ہوتی کہ وہ زندگی کے دوسرے کاموں کو خاطر خواہ وقت نہ دے سکیں۔ وہ شاعری کے علاوہ ادب کی دیگر اصناف کی طرف بھی متوجہ

ہوتے ہیں، پھر دیگر علمی و تحقیقی کاموں کیلئے بھی وقت نکالتے ہیں۔ ساتھ ہی مختلف سماجی، فلاحی اور اصلاحی امور بھی انجام دیتے ہیں۔ بلاشبہ شاعری ایسے لوگوں کے نزدیک انتہائی اہمیتوں کی حامل تو ہوتی ہے مگر وہ ان کو دیگر ضروری امور کی انجام دہی سے غافل نہیں کرتی۔ اچھے اور بڑے شعراء کی بڑی تعداد ایسے ہی شاعروں کی قسم سے تعلق رکھتی ہے۔

اس کے علاوہ شاعروں کی ایک قسم ایسی بھی ہے جو شاعری تو کرتی ہے مگر ضرورت شعری ان کے یہاں کسی پریشانی یا تکلیف کا نام نہیں ہے۔ یہ لوگ شوقیہ شاعری کرتے ہیں اور اکثر بقدر ضرورت کرتے ہیں۔ شعر و ادب ان کے نزدیک ایک ایسی شے ہے جو ان کی زندگی کو خوبصورت بناتی ہے اور وہ کبھی کبھی اظہار خیال کیلئے شاعری کو بھی وسیلہ بنا لیتے ہیں۔ اس قبیل سے تعلق رکھنے والے اکثر شعراء دیگر شاعروں کی طرح اتنی سنجیدہ شاعری نہیں کرتے جتنی عام طور پر دوسرے لوگ کرتے ہیں۔ زبان و بیان اور پیرایہ واسلوب کے معاملے میں بھی یہ طبقہ عام طور پر کمزور نظر آتا ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک شعری محاسن سے زیادہ اہم وہ بات ہوتی ہے جو وہ شاعری کے راستے سے دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ اس طبقہ کے شاعر عموماً جرائد و رسائل میں بھی چھپنے سے گریز کرتے ہیں اور مشاعروں کی دنیا سے بھی خود کو حتی الامکان دور ہی رکھتے ہیں۔ والد محترم قاری محمد اسماعیل ظفر صاحب کا شمار اسی طبقۂ شعراء میں ہوتا ہے۔

والد صاحب کی عمر 64 سال کے قریب ہے اور اب ان کا یہ پہلا شعری مجموعہ منظر عام پر آرہا ہے۔ بہت سارے لوگ اس کتاب کی اشاعت کے بعد یہ کہیں گے کہ قاری محمد اسماعیل ظفر صاحب محض ایک عالم باعمل، ایک داعی و مبلغ، ایک استاد مصلح اور ایک مقرر و مدبر نہیں بلکہ شاعر بھی ہیں۔ میں نے سینکڑوں محفل میں ان کو شریک ہوتے دیکھا ہے

مگر عالمی رابطہ ادب اسلامی کے ایک مشاعرے کے سوا کسی میں بحیثیت شاعر شرکت کرتے نہیں دیکھا۔ الحمدللہ ان کی شہرت ملک گیر ہے۔ شہر کلکتہ کا کوئی قابل ذکر آدمی ایسا نہیں ہے جو انہیں اچھی طرح جانتا پہچانتا نہ ہو مگر معدودے چند کے سوا شاید ہی کسی کو یہ پتہ ہوگا کہ وہ باقاعدہ شاعر بھی ہیں۔

میں یہاں یہ اعتراف کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا کہ اس مجموعے کی شاعری میں ہر جگہ ان کے جذبات واحساسات حاوی نظر آتے ہیں۔ ان کے دل میں قوم وملت کا جو درد ہے وہ ان کی شاعری سے کہیں زیادہ طاقتور ہے۔ اصلاح معاشرہ ان کی زندگی کا اہم ترین مشن ہے اور انہوں نے شاعری کے ذریعہ اصلاح کا کام انجام دینے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے۔ اور ایسا اس لئے بھی ہے کہ خود انہوں نے بھی اپنے آپ کو ایک شاعر محض کے روپ میں کہیں نہیں دیکھا ہے۔ ان کا مجموعہ کلام گواہ ہے کہ وہ خود کو ایک اچھا مسلمان ایک نیک انسان ایک وفادار شہری، ایک مفسر قرآن، ایک ناصح و مصلح اور شرافت وانسانیت کا ترجمان پہلے سمجھتے ہیں اور شاعر بعد میں۔ مجھے یقین ہے کہ والد صاحب کی شاعری کی عمر میری عمر سے بہت زیادہ ہوگی لیکن اب اتنے دنوں کے بعد اور متعدد احباب کے انتہائی اصرار کے بعد ان کا مجموعہ اشاعت کے مرحلے سے گزرنے جارہا ہے، یہ خود اس بات کا اعلان ہے کہ ان کی زندگی کی ساری اہم اشیاء کی فہرست تیار کی جائے تو شاعری نیچے اور پیچھے سے پہلے نمبر پر نظر آتی ہے۔

کہا جا سکتا ہے کہ آخر ایسا کیوں ہے۔ تو ایسا شاید اس لئے بھی ہے کہ قرآن نے شعراء اور شاعری کی نکیر تو نہیں کی مگر اس کی ایسی پذیرائی بھی نہیں کی کہ انسان دیگر ضروری کاموں کو چھوڑ کر ان کو فوقیت و اولیت دے بیٹھے۔ ضرورت شعری کبھی کبھی

انسان کو ناپسندیدہ راہوں اور باتوں کی طرف بھی لے جاتی ہے۔ اچھی، معیاری اور ڈھیر ساری شاعری کی کوششیں بسا اوقات آدمی کو غیر محمود پگڈنڈیوں پر دوڑا دیتی ہے اور عام طور پر شعراء گمراہوں اور گمراہیوں کے پیچھے سرپٹ دوڑ پڑتے ہیں اور ایسی باتیں بولتے پھرتے ہیں جن کا حقائق سے دور کا رشتہ نہیں ہوتا۔ اگر ایمان اور عمل صالح کی تکمیل انسان کو نہ روکے تو اس کو جہنم کی گہرائیوں میں لڑھک جانے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ فرمان الٰہی کے مطابق شاعری ہر کس و ناکس کا کھیل نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دینی علم وفہم رکھنے والے لوگ اس صحرا کی بادیہ پیمائی کا ارادہ بہت دیر میں کر پاتے ہیں اور جب قدم پھونک پھونک کر آگے بڑھتے ہیں تو ان کی رفتار دوسروں کے مقابلے بہت سست ہوتی ہے۔

شاعری فی نفسہ کوئی بری چیز نہیں ہے۔ تاریخ اسلام میں ایسے شعراء موجود ہیں جنہوں نے اپنے فکر وفن سے اسلام اور انسانیت کی خاطر خواہ خدمت انجام دی ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ یہ ایک فرض کفایہ ہے۔ حالی واقبال اور اکبر وحفیظ کی طرح کچھ شاعروں کی ضرورت بہر حال قوم مسلم کو ہر دور میں رہی ہے اور رہے گی۔ اسی لئے وہ لوگ جو عمدہ شعری ذوق رکھتے ہیں اور شعر گوئی کی صلاحیت من جانب اللہ ان کو ودیعت کی گئی ہے ان کیلئے ضروری ہے کہ وہ اس میدان کو ایمان وعمل سے محروم افراد کیلئے خالی نہ چھوڑیں بلکہ ادب کے اس اہم اور خوبصورت راستے سے خدمت اسلام کیلئے ضرور آگے آئیں۔

الحمد للہ والد محترم نے نہ صرف یہ کہ شاعری کی ہے بلکہ عمدہ شاعری کا ایک خوبصورت اور مثالی نمونہ بھی پیش کیا ہے اور اپنی شاعری کے ذریعہ قوم وملت کو وہ پیغام دیا ہے جس پر عمل کر کے راستے کی تاریکیوں کو اجالے میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

قاری محمد اسماعیل ظفرؒ: قوم کے ہمدرد

مشتاق باشمی

ہمدرد قوم کہئے یا اک پیڑ سایہ دار
علم و ہنر سے سب کو سنوارا ہے آپ نے
اسکول جبرئیل ہو، باب العلوم ہو
اک سرپرست بن کے نکھارا ہے آپ نے

۞۞۞

لوگ سارے معتقد قاری ظفر صاحب کے تھے
عہد پیری میں بھی اپنے عزم رکھتے تھے جواں
جن سے ملنے بوالحسن ندوی میاں بھی آئے گھر
شخصیت مشتاق ان کی کیا کرے کوئی بیاں

۞۞۞

ہیں بہت خدمات ان کی قوم و ملت کے لئے
وقف کر رکھا تھا اپنی ذات کو شام و سحر
یا خدا! مشتاقؔ کے دل کی دعا کر لے قبول
رحمتیں نازل ہوں ہر دم قبرِ اسماعیلؔ پر

روشنی کا مسافر

ارشاد آرزو

(حضرت قاری محمد اسماعیل ظفر کی یاد میں)

وہ روشنی کا تھا اک مسافر
علوم عصری و دیں کا ماہر
جدھر سے گزرا
نقوش اپنے سجا کے گزرا
حیات کیا ہے ,بتا کے گزرا
وہ ایسے گزرا
کہ بھول پانا محال ٹھہرا
فراق، وجہ ملال ٹھیرا
وہ ایک حافظ
وہ ایک قاری
وہ ایک عالم
وہ ایک ناظم
وہ اک مفکر

وہ اک مدبر
امام بھی وہ، خطیب بھی وہ
وہ ایک شاعر، ادیب بھی وہ.
وہ قوم وملت کا مہرباں تھا
وہ بے سہاروں کا سائے باں تھا
وہ علم وفن کا تھا ایک جویا
تھا ذہن اخاذ، دل مصفا
تھا اپنے قول وعمل میں یکتا
جو اس نے سوچا وہ کر دکھایا
یہی تو اس کا کمال ٹھہرا
اسی لئے بے مثال ٹھہرا
جلا کے قندیل علم وحکمت
مہ مبیں میں ہوا وہ رخصت
وہ روشنی کا تھا اک مسافر
جدھر سے گزرا
نقوش اپنے بنا کے گزرا
ہر ایک شے جگمگا کے گزرا!

Qari Md. Ismail Zafar

Hayaat o Khidmaat

A comprehensive and authoritative historical account of the life and contributions of the founder of Bab-ul-Uloom

Presented by:

BABUL ULOOM

Published by:

Bab Publications

1, Dr Suresh Sarkar Road, Maula Ali, Kolkata 700014

Qari Md. Ismail Zafar

Hayaat o Khidmaat

A comprehensive and authoritative historical account
of the life and contributions of the founder of Bab-ul-Uloom

وہ عکس بن کے مری چشم تر میں رہتا ہے
عجیب شخص ہے پانی کے گھر میں رہتا ہے